سلسلۂ آصفیہ

موازنہ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مؤلفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ مین منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سے چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(جلال اکبرآبادی نوشت)

میر مونس (لکھنوی)

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و دبیر کا موازنہ

مولفہ

شبلی نعمانی

مطبع مفید عام آگرہ مین منشی محمد قادر علیخان صوفی کی اہتمام سی چھپا

سنہ ۱۹۰۷ء

(حلال آگرہ آبادی نوشت)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
تمہید	۱
مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ	۱
عرب کی مرثیہ گوئی	۲
فارسی مرثیہ گوئی	۴
اردو مین مرثیہ کی ابتدا اور اوسکی ترقی	۱۱
میر انیس	۱۶
میر انیس کے محاسن شاعری	۲۱
فصاحت	۲۱
کلام کی فصاحت	۲۳
کلام کی اصلی ترتیب کا قایم رہنا	۲۸
روزمرہ	۳۰
مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال	۳۱
بحر و ردیف و قافیہ کی موزونی	۳۲
بلاغت	۳۵

مضمون	صفحہ
بلاغت کی تعریف	۳۶
ہر قسم کے مضمون سے کے بلاغت کے جداگانہ طریقے	۳۹
اشخاص کے لحاظ سے بلاغت کا انداز	۴۰
دشمن کی تعریف مین بلاغت کا انداز	۴۹
تسلسل بیان	۵۱
بلاغت کی جزئیات اور اسکی مثالین	۵۴
استعارات اور تشبیہات	۶۸
صنایع و بدایع	۷۵
جذبات انسانی اور اسکی مثالین	۸۵
مناظر قدرت	۱۳۱
صبح کا سمان	″
گرمی کا سمان	۱۳۵
منظر یعنی کسی حالت کا سمان اور اوسکی مثالین	۱۳۷

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
واقعہ نگاری - - - -	۱۶۱	میر انیس کے کلام پر اعتراضات -	۲۲۵
میر انیس کی واقعہ نگاری کی خصوصیات -	۱۶۲	سرقات - - - - -	۲۳۳
واقعہ نگاری کی مثالیں - -	۱۶۵	انیس اور دبیر کا موازنہ	۲۳۶
رزمیہ - - - -	۱۶۴	مرزا دبیر کے کلام کے عیوب -	۲۳۷
ہنگامۂ جنگ - - -	۱۶۶	فصاحت کا نہ ہونا - -	〃
فوج کی تیاری - - -	۱۹۸	بندش کی سستی اور ناہمواری -	۲۴۰
حملہ کا زور شور - - -	۱۹۹	تعقید - - - -	۲۴۹
حریفوں کی باہمی معرکہ آرائی اور فنون جنگ	۲۰۵	تشبیہ اور استعارے - - -	۲۵۱
گھوڑے کی تعریف - -	۲۱۰	مضمون بندی اور خیال آفرینی -	۲۵۳
تلوار - - - -	۲۱۴	بلاغت - - -	۲۶۰
سلام - - -	۲۲۱	انیس اور دبیر کے متحد المضمون مرثیے اور	۲۸۱ تا
رباعیات - - -	۲۲۳	متحد المضمون اشعار - - -	خاتمۂ کتاب

شمع ہا بردہ ام از صدق بہ خاک شہدا	تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلادیا ہے کہ اُردو شاعری مین زلف وخال وخط، یا جھوٹی خوشامد اور مدّاحی کے سوا اور کچھہ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے میر انیس کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدردانی کا طُغرا ے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے، اور بَین اچھا لکھتے ہین" بدمذاقی کی نوبت یہانتک پُہنچی کہ وہ، اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دئے گئے، اور مدت ہا ے دراز کی غور وفکر، کدوکاوش، بحث وتکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے،

اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ وتنقید لکھی جائے، جس سے اندازہ

ہو سکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگیِ زبان، کیا پایہ رکھتی ہے، اِس غرض کے لئے **میر انیس** سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہوسکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اورکسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج، اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب، ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میر انیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اسکا نام **موازنہ** ہے۔

شاعری کیا چیز ہے؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپ کر شایع بھی ہو چکا ہے۔ ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اسپر بحث کی ہے۔ انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اِس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہوسکا، شعر العجم مین، مین اس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھون گا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ شاعری کے دو جز ہین **مادّہ** و **صورت**۔ یعنی کیا کہنا چاہیئے اور کیونکر کہنا چاہیئے؟ انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے، سننے۔ یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش، و مسرت۔ عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز۔ حیرت و استعجاب۔ طیش و غضب، وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو **جذبات** سے تعبیر کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا اصلی ہیولیٰ ہے اِنکے سوا عالمِ قدرت کے مناظر، مثلاً گرمی و سردی، صبح و شام، بہار و خزان، باغ و بہار۔ دشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی مین داخل ہے،

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جز یعنی اسکی **صورت** ہے، اور انہی دونون جزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ باقی، خیال بندی، مضمون آفرینی، دقّت پسندی، مبالغہ، صنایع و بدایع، شاعری کی حقیقت مین

داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین نقش و نگار اور زیب و زینت کا کام دیتی ہین۔

میرانیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جسکا مختصراً بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو اسکے سامنے میرانیس کی نسبت، کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جاسکتا،

میرانیس اور تمام اور مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام، اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ، اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے اور محاسن شعری، اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین،

حضرت عباسؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین، اور گو حقیقی بھائی نہ تھے لیکن حقیقی بھائیون سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے - اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایاں کیا ہے -

حضرت زینبؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تہین، انکے دو صاحبزادے تھے، عون و محمدؑ دونون کو انہون نے امام پر نثار کر دیا،

عونؑ و محمدؑ — حضرت زینب کے صاحبزادے -

حضرت صغریٰ — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام، مدینہ مین چھوڑ آئے ان کی جدائی اور رخصت کو، تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے

حضرت سکینہؑ — امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قید خانہ کی تکلیفون سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر — امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا،

اور اپنے بیٹون سے زیادہ انکو عزیز رکھتی تھین، اس بنا پر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور ان سے زیادہ اُنکا ادب کرتے تھے،

علی اصغر	امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔
حضرت سجادؑ	امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے،
حضرت شہربانو	امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،
حُر	یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تھا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہوگیا،

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار مین ادا کر دیے جاتے تھے، جذبات مین، درد وغم کا جذبہ، اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو، ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو بہت کچھ خوشی ہوگی لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین، اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سرتاپا جوش بن جائیگا، اُسکی آہ وزاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دین گے۔

بہر حال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے۔

مرثیے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد وغم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج وغم کی حالت مین عشق ومحبت کے خیالات کا کیا موقع تھا، عرب مین اسکی مخالف صرف ایک مثال موجود ہے، یعنی درید بن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اس کی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

لعاقبۃٍ او اخلفت کُلَّ موعد	اَرَاثَ جدیدُ الحبل مِن ام معبد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ، واقعہ کے پورے ایک برس کے بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہو چکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُر اثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے خنسا اور متمم بن نویرہ۔ خنسا ایک عورت تھی جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی۔ صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اسکے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی، اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کئے، ان مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دو ہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہو گئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے، جن کا مطلع یہ ہے۔

وصبراً ان اطقت ولم تطیقی	هریقی من دموعك واستفیقی

(اپنے نفس سے مخاطب ہو کر) آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکنے کی،

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا۔ اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ دردانگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ و زاری کی آواز بلند ہوتی " اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہو جاؤ گے، اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کر لو کہ اولاد کے ذریعہ سے خاندان کا نام رہ جائے،،

لوگون کے اصرار سے مجبور ہوکر اُسنے شادی کی، لیکن بیوی کی طرف التفات نہ کرسکا، آخر طلاق دینی پڑی،
اسی حالت مین حضرت عمر کے پاس آیا، وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، متمم نے مرثیہ کے
اشعار پڑھنے شروع کئے، حضرت عمر اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کرسکے، بے اختیار
آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمر نے کہا، الی ما بلغ بات الحال، یعنی تیرے غم
کی حالت کس حد تک پہونچی ہے؟ اس نے کہا امیرالمومنین! بچپن مین مجھکو ایک عارضہ ہوگیا تھا، جسکی وجہ سے
میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین کبھی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، بھائی کے
مرنے کے بعد جو اس آنکھ سے آنسو جاری ہوئے تو ابتک نہین تھمے۔

حضرت عمر نے اس سے فرمایش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُسنے فرمایش پوری کی، لیکن جب
دوسرے دن جاکر حضرت عمر کو سنایا، تو حضرت عمر نے کہا، کہ اسمین تو وہ درد نہین ہے، اس نے کہا، امیرالمومنین!
زید آپ کے بھائی تھے میرے بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی تھی، اس کے بعد جب
شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے
کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اس
زمانہ کے بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود
ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی۔ لیکن اُدھر تو عرب کے پُرزور جذبات
مین انحطاط آچکا تھا، اِدھر بنو امیہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین، فرزدق
بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اسنے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی
مدح مین فی البدیہہ چند شعر کہے تو عبدالملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا،

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنھی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اسلئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیون نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اس لئے اُنکے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پُر اثر اور درد انگیز تھے۔[1]

فارسی مرثیے

فارسی شاعری کی بنیاد تکلف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت مین آ گئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اس لئے فردوسی اور فرخی وغیرہ کی شاعری مین جا بجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فردوسی نے سہراب کا مرثیہ جو اس کی مان کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سہراب گرد — ز تیغ پدر خستہ گشت و بمرد
خروشید و جوشید و جامہ درید — بزاری، بران کودک نارسید
بزد چنگ و بدرید پیراہنش — درخشان شد آن لعل زیبا تنش
برآورد بانگ و غریو و خروش — زمان تا زمان زو ہمی رفت ہوش
فرو برد ناخن دو دیدہ بکند — برآورد بالا در آتش فگند
مر آن زلف چون تاب دادہ کمند — بہ انگشت پیچید و از بُن بکند
روان گشت از روی او جوی خون — زمان تا زمان اندر آمد نگون
ہمہ خاک تیرہ بسر بر فگند — بدندان ز بازوی خود گوشت کند

[1] عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہمکو اقتضائے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا، کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بسر بر فگند آتش و بر فروخت — همه موی مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کای جان مادر کنون — کجائی سرشته بخاک و بخون؟

دو چشمم بره بود گفتم مگر — ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود گفتم کنون — بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتی — کنون آمدن تیز بشتافتی

چه دانستم ای پور کآید خبر — که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روی تو — وزان برز و بالای و بازوی تو

بپرورده بودم تنش را بناز — بر خشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت — کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار — که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش — کرا خوانم اکنون بجای تو پیش

پدر جستی ای گرد لشکر پناه — بجای پدر گورت آمد براه

ازامید نامید گشتی تو زار — بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را برکشید — جگرگاه سیمین تو بردرید

چرا آن نشانی که مادرت داد — ندادی بدو بر نکردیش یاد

نشان داده بد از پدر مادرت — ز بهر چه نامد همی باورت

کنون مادرت ماند بی تو اسیر — پر از درد و تیمار و رنج و زحیر

چرا نامدم با تو اندر سفر — که گشتی بگردان گیتی سمر

مرا رستم از دور بشناختی — ترا با من ای پور بنواختی

ببینداختی تیغ آن سرفراز	نکردی جگرگاہت اے پور باز
ہمی گفت ومی خست ومیکند موے	ہمی زد کف دست برخوبروے
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت	بہ خنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا جو نہایت موثر اور دردانگیز ہے ؎

شہر غزنین نہ ہمان است کہ من دیدم پار	چہ فتاد است؟ کہ امسال دگرگون شد کار
گو ہما بینم پرشورش وسرتا سرکوے	ہمہ پر جوشن و جوشن در وپرخیل وسوار
ملک امسال دگر باز نیامد زغزا	وشمنے روے نہاد است درین شہر ودیار
آہ ودردا کہ بیکبارہ تہی بینم ازو	کاخ محمودی وآن خانہ پر نقش ونگار
سیرمی خوردہ مگردی، وخفتہ است امروز	دیر برخاست، مگر رنج رسیدش زخمار
خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند	ہدیہا دارند آوردہ فراوان ونثار
کہ تواند؟ کہ برانگیز داز ین خواب ترا	خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتن بسیار، اے خسرو! خوے تو نبود	ہیچ کس خفتہ ندیدہ است ترازین کردار
یک دمک، بار سے درخانہ بپاے نشست	تابدیدند روے تو عزیزان وتبار
بہ حصار از فزع وبیم تو رفتند شہان	تو شہاازفزع وبیم کہ رفتی بکنار؟
شعرارا بتو بازار برافروختہ بود	رفتی وباتوبیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیے تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیے، بہت مشہور ہین، اور چونکہ دل سے نکلے ہین، حسرت خیز اور درد انگیز ہین، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش وطرب کی مجلسین غزل کے ترانون سے گونج رہی تھین اسلیئے ان کا اثر عام نہین ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک

دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زودستاوریون نے پرانی بنیادین متاکر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندانِ رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بناپر اسنے کہا کہ مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہل بیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیئے، جسکا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربارشاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا جو دردوغم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون ز حلق تشنۂ او بر زمین رسید — جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید
نخلِ بلند او چو خسان بر زمین زدند — طوفان بہ آسمان ز غبار زمین رسید
باد آن غبار چون بمزار نبی رساند — گرد از مدینہ بر فلک ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار - کان غبار — تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلے نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتل او چون رقم زنند — یکبار بر جریدۂ رحمت قلم زنند
ترسم کزین گناہ شفیعان روز حشر — دارند شرم کز گنہ خلق دم زنند
دستِ عتاب حق، بدر آید ز آستین — چون اہل بیت، دست براہل ستم زنند
آہ از دمے کہ با کفن خون چکان ز خاک — آل علی چو شعلۂ آتش علم زنند
فریاد از زمان کہ جوانانِ اہل بیت — گلگون قدم بہ عرصۂ محشر قدم زنند

از صاحب حرم چہ توقع کنند باز — آن ناکسان کہ تیغ بصید حرم زنند

پس بر سنان کنند سرے را کہ جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

بر حربگاہ چون رہ آن کاروان فتاد[1] — شور نشور واہمہ را در گمان فتاد
ہم بانگ نوحہ غلغلہ در شش جہت فگند — ہم گریہ بر ملائک ہفت آسمان فتاد
چندان کہ بر تن شہدا چشم کار کرد — بر زخم ہائے کاری تیغ و سنان فتاد
ناگاہ چشم دختر زہرا در آن میان — بر پیکر شریف امام زمان فتاد
بے اختیار نعرہ ھذا الحسین از و — سر زد چنانکہ آتش ازو در جہان فتاد

پس با زبان پر گلہ آن بضعۃ البتول
رو در مدینہ کرد کہ یا ایہا الرسول

این کشتہ فتادہ بہ ہامون حسین تست — وین صید دست و پا زدہ در خون حسین تست
این غرقہ محیط شہادت، کہ روئے دشت — از موج خون او شدہ گلگون حسین تست
این خشک لب فتادہ ممنوع از فرات — کز خون او زمین شدہ جیحون حسین تست
این شاہ کم سپاہ کہ با خیل اشک و آہ — خرگاہ ازین جہان زدہ بیرون حسین تست
این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین — شاہ شہید ناشدہ مدفون حسین تست

پس روئے در بقیع بہ زہرا خطاب کرد
وحش زمین و مرغ ہوا را کباب کرد

کاے مونس شکستہ دلان حال ما ببین — ما را غریب و بیکس و بے آشنا ببین

[1] ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے، جس میں یہ بیان ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹوں پر سوار کر کے شہدا کی لاشوں کے سامنے سے لے گئے۔

تنہا سے کشتگان ہمہ درخاک وخون نگر	سرہاے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبی مدام	یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش در کنار تو	غلطان بہ خاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان	واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
سے نیے دراچو ابر خروشان بکربلا	طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا بضعۃ البتول ز ابن زیاد داد ٭ ٭
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا لیکن تمام ملک مین تصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اس کا چندان اثر نہین پڑا۔ طالب آملی غزالی، میلی، سلیم، کلیم وغیرہ شعراے متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پاے جاتے ہین۔ لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پردرد مرثیہ لکھا، لیکن نوباوہ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے، ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمہ مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز۔

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سر کن ز روے صدق ظہوری رہ دعا	از گفتگو، دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے۔

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام از ان بہ کام حسین و حسن نبود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرور شہداے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اسنے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتداء سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کردیے، اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے، اس غرض کے لئے اس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کھپت نہین ہوسکتی تھی۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے، لیکن درد و تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباسؑ در سخن بودند	براے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درونِ سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بر دوش
دوان بخدمتِ عمِّ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ اے عمِّ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی ز سینۂ من
چہ واقع است کہ رحمے بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعہ آبے درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباسؑ بے قراریِ او	گسیخت بند دلش از فغان و زاریِ او

مقتل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ ،،

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدار

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا ولی سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہوچکا تھا، سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ؎

استقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا	پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ انھون نے بھی کہا ہے، اُنکے ایک مرثیہ کا ردّ مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین، ؎

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے	مصیبت ہے، ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے	حسین علی کی شہادت کی شب ہے
کوئی دل نہین جس کو ماتم نہو گا	وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہو گا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہو گا	قیامت مین یہ کچھ نہو گا جواب ہے
بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائے	یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائے
شہِ تشنہ لب کا کسے غم سنائے	یہ کس مُنہ سے کہئیے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چو مصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اُردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چو مصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کیے جا سکتے تھے، میر انیس کے اس مصرع سے ؎ پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک صاحب

نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے، اور میر حسن اُنکے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے، میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین۔

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا، ؎

کس سے اے چرخ کہون جاکے تری بیدادی — جو ہے دنیا مین سو کہتا ہے مجھے ایذا دی
ہاتھ سے کون نہین آج تیرے فریادی — یان تلک پہونچی ہے ملعون تیری بیدادی
کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکے تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے — دشنہ و تیغ سے، اُن ظالمون کے سب مارے
اہل بیت اُسکے جو باقی ہین سو ہین آوارے — قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے
نہ اُنھین چین ہے دن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت مین چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اس وجہ سے شاعرانہ طبّاعی اور زور آوری سے اجتناب کرتے تھے ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین رابطہ معنی دیا، اس کلام مین [illegible] کسو نے عز قبول نہین پایا، پس لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ کہ برائے گریہ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے"

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہین قرار دیتے تھے،

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیئے چو مصرع سے مسدس ہو گئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر، مرزا دبیر کے اُستاد ہین، میر ضمیر کے مرثیئے چھپ کر شائع ہو چکے ہین، انہون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین حسب ذیل ہین۔

میر ضمیر

۱، رزمیہ لکھا،

۲، سراپا ایجاد کیا،

۳، گھوڑے۔ تلوار اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مُہمات موضوع ہین۔

۴، واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا۔

۵، سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور، اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لیئے گویا جائز مان لیئے گئے تھے اکثر ترک کر دئے۔ اُن کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا

اسکے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالباً پہلا شخص جسنے منبر پر بیٹھکر تحت لفظ پڑھا، میر ضمیر صاحب تھے

نئی تشبیہات۔ لطیف استعارے۔ مبالغہ۔ واقعہ نگاری۔ مناظر قدرت کی تصویر۔ غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین، ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین۔ یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کر دیا۔ میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے	یہ تو کہیئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے	روزمرہ اور صفائی
چاہتا تھا کہ کرون ضبط یہ چُپ رہتا تھا	پوچھو اکبر سے مین ہر بار یہ کیا کہتا تھا	ایضاً
چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے	مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے	

واقعہ نگاری:

پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے ۔۔۔ بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے
قریب جاتے ہی ہندہ نے اُٹھا تھا ہاتھ ۔۔۔ کہا سلام علیک اے ضعیفۂ نیک صفات
وہان سے لائے اٹھا کر تو پھر کہی یہ بات ۔۔۔ سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپکے حالات

وہ روشنی ہین بغور اُنکے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا پر کچھ وہ نہ کہہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا ۔۔۔ کہین ہے شہر مدینہ مین ظاہر دیکھا
محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا ۔۔۔ ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا

ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
و یا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سو اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہے گواہ ۔۔۔ جناب فاطمہؑ کے گھر مین سے تھین کچھ راہ
خصوص زینبؑ و کلثومؑ سے بھی ہو آگاہ ۔۔۔ ہین دونون بی بیان شہزادیان مری واللہ

وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

تشبیہ

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اسطرح سے سنان ۔۔۔ بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان
اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان ۔۔۔ تھا اژدہاے موسیٰ عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جسکو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف، اور صاف کر دیا ہے چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالی ہوئی اژدہا چلا، میر انیس نے اسی طرح دو نیزون کے باہم ٹکرانیکا مضمون پیدا کیا اور اس لطف کو دوبالا کر دیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے،

حسن تعلیل

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن مین ۔۔۔ انگشت تاسف تھی زبان سب کے دہن مین ۔۔۔ میر ضمیر

مبالغہ

گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار ۔۔۔ اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار

دونون نے ہم عنانی و سرعت کی اختیار	آخر کہان وہ اور کہان وہم ہر زہ کار

کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ رہ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہین کہ کہان تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میر خلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی، میر انیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُنکی فصاحت اور روز مرّہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روز مرّہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سربسر زبان، میر خلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے

مجرائی طبع کند ہے لطف بیان گیا	دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا
گذری بہار عمر، خلیق اب کہین گے سب	باغ جہان سے بلبل ہندوستان گیا

ان اشعار سے قیاس ہوتا ہے کہ میر خلیق نے میر ضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میر خلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے ۱۲۹۷ھ مین بمقام گلبرگہ حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا جس مین میر خلیق۔ مونس۔ اور انیس کے چند مرثیے جمع کیے تھے، اس مین میر خلیق کے متعدد مرثیے ہین۔ لیکن اکثر وہ ہین، جو آج میر انیس کے نام سے مشہور ہین اور جو میر انیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہے، کہ میر انیس ہی کے نتائج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میر خلیق کا کلام ہے، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین۔

چند نمونے ملاحظہ ہون

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر! ابھی نجا	دل مانتا نہین مرے دلبر ابھی نجا
اے لال! سوئے نیزہ و خنجر ابھی نجا	ہے ہے بجا شبیہ پیمبر ابھی نجا

مضطر ہون چین آے پہ آتا نہین مجھے

روونے مین منہ ترا نظر آتا نہین مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی، اور وہن کبھی
روتے تھے لیکے بوسہ سیب ذقن کبھی
تکتے تھے سوے زلف شکن در شکن کبھی
یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی

ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی منہ اپنا پیار سے

نوجون کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر امنڈ آئے دل کے دل
چلون مین تیر رکھکے بڑھے روم ورے کے پل
شعلے صفت چمکنے لگے برچھیون کے پھل
تیغین اُبل ہوئین جو کھچین، ہٹ گئی اجل

دن کو سیاہی شب ظلمات ہو گئی
کھولے نشان شامیون نے، رات ہو گئی

تلوار

موجین زرہ، حباب ہین سر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے
شق ہین بہادرون کے جگر اسکے سامنے
تھکنے ہین جبرئیل کے پر اس کے سامنے

مارین کمر کا ہاتھ اگر پاون گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہون پہاڑ کے

فوج کی بد حواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی
ترکش مین ڈہونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً ۱۲۱۸ھ مین پیدا ہوئے، انہون نے مرثیہ کو جو ترقی دی، اسکی تفصیل آگے آئیگی۔ یہان جو باتین کہنے کے قابل ہین، یہ ہین۔

ا، میر انیس کا خاندان دلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُنکے پردادا میر ضاحک، دلی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد مین سکونت اختیار کر لی تھی، تاہم دہلی کی جو خصوصیات تھین وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو! ارباب لکھنو اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے"

اسی بنا پر جا بجا جگہ کو "جا گہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہیں، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معمر دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین، اکثر شریک رہا کیے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی اُن کی مجلس مین لوگ صفِ نعال مین آکر بیٹھ جاتے تھے، تو فرماتے تھے، صاحبو! جا گہہ ادہر ہے"، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جو اون نے چوٹین بچائیان

۲، میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُنکے مرثیہ کے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدر منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف، واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے۔ وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین اسکا سمان باندہ دیتے ہین۔

میر انیس کے مرثیون مین واقعات، اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے۔ البتہ یہ فرق ہے، کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال، اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے، میر انیس نے واقعہ نگاری اور مصوری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرز گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی، اور یہ قادر الکلامی کی انتہا ہے۔

۳، میر حسن صاحب، غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روز مرہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین، کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین، رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے۔

۴، میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ سوال نہایت عظیم الشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت، اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کیے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے، اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ان قریب المعنی پائے جاتے ہین،

اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہوجاتے، لیکن افسوس ہے کہ باوجود بہت سی جدوجہد کے اس بارہ مین مجھکو کچھ کامیابی نہین ہوئی -

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جابجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین کہ اُن کے حریف اُنکے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً، ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نو اسنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا
ملتی نہین وزد ان معانی سے نجات	سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

ان چوٹون کو سُنکر مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبری کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے	یعنی بری ہون سرقہ مضمون غیر سے

اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُنکے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے ورنہ میرزا صاحب ضرور اسکا اشارہ کرتے، اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ، اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش، میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے - چنانچہ کہتے ہین ؎

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل	اُٹھا چکے ہین زمین سند ارجمند زمینون کو

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے انکی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۵، میر انیس کا جو کلام موجود ہے ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعویٰ ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھ تحریف، اور خلط ہوا ہے۔ مولوی عبد الغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا اس کا جواب میرزا محمد رضا متخلص بہ معجز، شاگرد ناسخ نے لکھا جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلہ طور کانپور مین چھپا تھا اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذہ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بہ لحاظ اپنے پڑہنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کیے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھ بند نکال ڈالے، اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کر کے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑہنا شروع کرین کہین بغرض بکا و ابکا، مضامین مبکیہ موزون کر کے شامل مرثیہ کیے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بہ سبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہ گئے، اُس کی تکمیل بطور خود کی، اس باعث سے کہ نقل مرثیہ جدید و نو تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، اُن مین اکثر کا اصل نہین ہین تغیر و تبدل و اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انہین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین، جو مطبوع ہوئے ہین پس مراثی مطبوعہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد ہین"۔

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے۔

یہ مرثیہ ؎ اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھا دے، اس مصرعہ تک، ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر،

میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۴۹ سے لیکر ۵۵ تک، اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاق ہین۔

یہ مرثیہ ع دشتِ وغا مین نورِ خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع

چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاق ہے، یہ شعر

"دو لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینہ سے تو سرک تو میرے باباجان کے"

الحاق ہے۔

میرزا رضا صاحب نے ادبیت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے

اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین یون ہے۔ چونکہ اس قسم کے

الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین۔ ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ

غضب کیا ہے کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم

صحیح نہین۔ میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، اُنکی ابتدا مشق مین، قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے

مبتداول تھے، اور شعرا بے تکلف ان کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک

کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین، دلّی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار

سمجھتے تھے، چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین، جن کو شیخ ناسخ

مدتون سے چھوڑ چکے تھے مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع کشاکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین۔

حالانکہ اس قسم کی جمع، ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے

ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے جس قدر زمانہ گذرتا گیا،

میر صاحب، قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین -

فصاحت۔ علماے ادب نے فصاحت کی تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، اُن مین تنافر نہو، الفاظ نا مانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو،،

فصاحت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، ولاویز، اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے وبلبل کی آواز اور بعض مکروہ وناگوار مثلاً کتے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ، سُبک، شیرین اور بعض ثقیل بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر وتقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کیے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کیے جاتے ہین -

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انھون نے اُردو شعرا مین سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے اور سیکڑون مختلف واقعات، بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پاے جاتے ہین - اکثر جگہ عربی، فارسی کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین، ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے ہین، فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم، رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس

قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا - میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ع ذرّیت رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی -

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر، بعض اُس سے بھی فصیح تر،

میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین - میرزا دبیر اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین - جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکیگا

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع وسجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین -
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ سر دم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسین ع کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجیے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال • فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان، کثیر الاستعمال ہو، اسلیئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق

ہے، میرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر اُن کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین -

مثلاً جہان حضرت شہربانو نے حضرت عباس کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہربانو کی زبان سے فرماتے ہین
ع ہے ہے میرے دیور میرے دیور میرے دیور ٭ ایک اور جگہہ فرماتے ہین ع نارہ تو انکی سالگرہ کا نکال لاؤ

ابتذال کی صاف اور بہترین مثال، نظیر اکبرآبادی کا کلام ہے اگر یہ تمیز ہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا -

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین - لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے -

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا -

کلام کی فصاحت یہ بحث مفرد الفاظ سے، متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھہ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت، ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھہ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی - قرآن مجید مین ہے، ما کذاب الفواد ما رای - فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجاے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہوجائیگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجاے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھہ نہین ہے -

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور - صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین،

میر انیس نے جابجا ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ میں صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

یہاں جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھُس پھسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہیں اور برابر درجہ کے فصیح ہیں۔ لیکن میر صاحب کے اس شعر میں ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جاوے تو فصاحت خاک میں مل جائیگی، لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ میں ع شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے۔
شبنم کے بجائے اوس لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ میں وہ ترکیب دیا جائے، اُن آوازوں سے اُسکو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سُروں کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازوں یا سُروں کا نام ہے، ہر سُر بجائے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سروں کو باہم ترکیب دیدیا جائے تو دونوں مکروہ ہو جائیں گے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا گُر یہی ہے کہ جن سُروں سے اسکی ترکیب ہو اُن میں نہایت تناسب اور توازن ہوا

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہیں اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لَے میں اُنکے مناسب ہوں۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے، ع زیرِ قدمِ والدہ فردوس بریں ہے۔ اس میں جتنے الفاظ ہیں یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ بریں۔ سب بجائے خود فصیح ہیں، لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ

پیدا ہوا ہے وہ اس قدر بھدّا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہین کرسکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے، اس لئے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا۔ مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین	مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدّا پن اور ثقل نہین ہے۔

[جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے اسکے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین] یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی استاد گر بنگری بتحقیق	صنعت گر است اما شعر روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہوجاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا کرتے ہین ع

بلبل چہک رہا تھا ریاض رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کس قدر فرق پیدا کردیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مصداق ہے نمونہ کے طور

پرہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون
قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دون
کانٹون کو نزاکت مین گل تر سے ملا دون
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندہون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندہون

ولہ

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسِ خوشخصال
غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال
اب یان سے ہمکو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت، اُلٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین طلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدہر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدارِ نوجوان
تسلیم کو جُھکے ہوئے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کمان
ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوئے زبان
تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ؎

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
بیعت اُنھین تو تمھین ہمین بھی نہین قبول

غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول ۔ لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشۂ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گدّی سے کھینچ لون گا زبانِ دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے تیرا وہ امیرِ شام ۔ کرتے ہین بادشاہ کہین بیعتِ غلام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام ۔ او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ولہ

ماتم اِدہر تھا جشن مین تھے اہلِ شر اُدھر ۔ بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تہا ہر اک کو عمر اُدھر ۔ روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدہر اُدھر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے ۔ حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے ۔ گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بھر ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبلی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہِ انس و جان ۔ اک بھائی کے فراق مین یہ نالہ و فغان
رونے سے جی اُٹھین گے نہ عباسؑ نوجوان ۔ حضرت پکارتے ہین کسے بھائی اب کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام ۔ کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام ۔ سنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کہاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے ۔ **ولہ** ۔ اکبر اُدھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب دے کہ بہر پھرے ۔ **ولہ** ۔ بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پھرے
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا ۔ **ولہ** ۔ تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات فعل، جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے صرف ایک آدہ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے مثلاً سعدی کے یہ اشعار ہے

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔ کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ۔ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد ۔ وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو نثر کرنا چاہین تو ہو سکے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُس کے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈھلا ہوا ہوگا اور اُردو مین جہانتک

ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صُغرا حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین، ؎

قربان گئی، اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحّت کا یقین ہے
اب تو میرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

ولہ

صغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ، مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امّان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینبؑ، حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیّا، تمھین سے لگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام، یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھکو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہین جو تمنے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادے پہ غربت مین جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائیگا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

خولی امام علیہ السلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کرتا ہے ؎

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہیں اِن میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر

کچھ نوجوان ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
پس جائینگے وہ ٹاپوں سے ہنگام دار و گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغچے بھی سنبھالے نجائین گے

کیا جانے دل میں سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا

مقتل میں کھینچ کر انھیں لے آئی ہے قضا
عمرین ہیں چھوٹی چھوٹی سہلا دہ لڑین گے کیا

کچھ آزمودہ کار نہیں کچھ سن نہیں
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہیں

اس قسم کے اور ہزاروں اشعار ہیں آگے مختلف موقعوں پر جو اشعار نقل کیے جائینگے اُن میں اور دوسری خوبیوں کے ساتھہ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئیگی۔

روزمرّہ

روزمرّہ اور محاورہ جو الفاظ اور جو خاص ترکیبیں اہل زبان کے بول چال میں زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہیں، اُن کو روزمرّہ کہتے ہیں، روزمرّہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال میں وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف، اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن میں کچھہ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہوجاتے ہیں۔ ابو العلا معرّی جو ایک ملحد شاعر تھا اُسنے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے لیکن اس میں قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہیں پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہیں، لیکن جب دو چار سو برس نمازوں میں منجھکر صاف ہوجائیگا تو روانی آجائیگی۔

غرض روزمرّہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میر انیس کے کلام میں نہایت کثرت سے روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہیں ؎

مرغانِ خوش الحان چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سُن کے روزمرّہ میرا

چونکہ میر انیس کا کوئی کلام روزمرّہ سے خالی نہیں ہوتا، اس لیے ہم نمونہ کے طور پر صرف دو چار مثالیں نقل کرتے ہیں۔

حشر تک خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

زینب نے کہا جس میں رضائے شہ عالی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک جاہنے والی

صدقے گئے فرزند پھوپی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو میرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

زندہ نہ محمد ہے نہ اب عون ہے بیٹا
تم بھی جو نہ پوچھو تو میرا کون ہے بیٹا

ولہ

خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

ولہ

کس کی مجال ہے جو کہے کا یہ کیا کیا؟
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

ولہ

کہتے تھے راہ میں شہ کہ وارا اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہیں - مہیب - پر رعب - سخت، نرم، شیریں، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں بعض نرم، شیریں اور لطیف ہوتے ہیں بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے، اسی بنا پر غزل میں سادہ شیریں، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، قصیدہ میں زوردار شاندار الفاظ کا استعمال

پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، و ادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین

شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے

لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے

مضامین ہین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے

بالکل بے اثر ہوتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم، اور فردوسی سے بزم نہین نبہ سکتی۔

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے

اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہین رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی	رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے	نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کس نے روکدیا ہے دلیر کو	سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو
تھا یہ بپھرا ہوا عباس سا شیر جوان	سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو	روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح، اُنکے مفہوم مین غیظ و غضب ہے اُسی طرح، الفاظ کی صوت و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین

فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا،

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے

اور اسوجہ سے ناکام رہا۔ میر انیس سے پہلے، مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے مثلاً ع

جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے،

ع آپ تو جیتے رہے، بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحروں مین

ع یہ کس منھ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے،

[میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کر لین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی تھین،

۱- رزم و بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر، حشر برپا تھا کہ تیغِ حُرِ ذیجاہ چلی۔

۲- فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہو جاتی ہے مثلاً یہ بحر

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون،

۳- کانون کو خوش معلوم ہوتی ہین]

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا قافیے ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کر لیا - آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اردو مین تو ردیف تال اور سم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے یہی حالت، اُردو شعر کی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لئے بہت بڑا قادر الکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قایم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہاتھ سے نہ جانے پائے تو ردیف، سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو، ۵

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینہ بھر کے
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ! معلوم

دونون شعر اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کسقدر چمکا دیا ہے - بعض

جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کردیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین۔ حسن قافیہ وردیف، وتکرار کی یکجائی چند مثالین، ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین ۔

کہین صفین صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کئے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسر شیر خدا رن پہ چڑھا ہے
رکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہوگئے گرا جسے مارا کمر کا ہات
ہل چل پڑی تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اُس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
ڈھالون سے پھول لگئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ رہا اسی گلپیرہن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا گہان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
ماتم ادہر تہا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تہا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانہ فتح وظفر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادہر اُدہر
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین ید اللہ نے اکثر مرے جوہر	ولہ	مخفی نہین جبریل امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکہائی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گہاٹ گہاٹ کے	ولہ	تشنی تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑہتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے	ولہ	پہلے انہین کو مار لیا رول رول کے دستار سب نے پھینکدیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسیکو امام زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تلوار کی زبان ہے۔

تنسیق الصفات — جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے در پے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اسکی بڑی تھی		برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی
موجود تھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی	ولہ	دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کوفہ مین بھی معرکہ دن بھر نظر آیا	ولہ	شمر آیا سنان آیا حر آیا عمر آیا
سمٹا جما اُڑا - اِدھر آیا - اُدھر گیا	ولہ	چمکا - پھرا - جلال دکھایا - ٹھہر گیا
چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ جسم خم کا جدا رنگ تھا، کس بل کا جدا رنگ	ولہ	ہر ہات مین دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ لب سرخ - دہن صاف، بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ مین یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب مین **فصاحت** زیادہ ہے اور مرزا صاحب مین **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابون مین مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہین، اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اسلیے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب مین بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہین ہوسکتا جب تک اسکے تمام الفاظ، مفردات و مرکبات فصیح نہون، اگر فصاحت مین کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت مین بھی کمی ہوگی، اسلیے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمین بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہین، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ مین بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اسکے جس قدر انواع و اقسام قرار دیے ہین، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتین ہین، ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام ہے، کہ مبتدا اور خبر کہان مقدم لائے جائین اور کہان مؤخر؟ کہان معرفہ ہون کہان نکرہ؟ کہان مذکور ہون، کہان محذوف؟ اسناد کہان حقیقی ہو، کہان مجازی؟ جملہ کہان خبریہ ہو، کہان انشائیہ؟ دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جائے کس موقع پر اختصار؟ - گویا بلاغت کا صرف اسقدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتا دے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جائے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیے مثلاً مدح - ذم - فخر - ہجا - تہنیت - تعریض - شوق - محبت، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرایے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کر سکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ الفاظ سے مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیتِ استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین، واعظانہ مقدمات پائے جائین تو کہا جائیگا کہ خلافِ بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہی اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا، اسکے رتبہ کے خلاف ہے - اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جا سکتا ہے، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلیٰ درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے -

میر انیس صاحب کے کلام میں بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُنکے کمال کا اصلی معیار نہیں، اُنکے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت میں کھُلتا ہے۔

کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کا موضوع شاعری ہے، جہان تک تاریخ ورد ایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویوں نے اُن مین نہایت وسعت پیدا کی ہے۔ بعض جگہہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دئے۔ بعض جگہہ روایت مین اُس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کر لیا ہے، اور پھر اُسکو اسطرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ مِن وعن روایتوں مین مذکور تھا مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون و محمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی ماں حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینبؑ کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہر بانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیون چلے آئے، ان تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین، بلاغت کا پہلا فرض یہ ہے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اُس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کئے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کئے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جائے،

اس نکتہ کی حقیقت، ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوئے تو جا بجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ہوا یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے ملک سے مصوّر بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے

زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُسنے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر مین لکھا ؎

اکبر کا بیاہ خالق اکبر کے ہات ہے ۔۔۔ بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہرا ہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کر دیئے ادہر کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ جب بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کیئے ہوئے
دولہ اُٹھو، کھڑی ہے دلہن سر کھلے ہوئے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین ۔۔۔ دولھا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین ۔۔۔ دولھا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مُردے کا ذکر کرتے ہین سب شور و شین سے
ہے ہے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خُوبو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر ۔۔۔ ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر
نتہ چوڑیان پہنے نہ پائی، مین نوحہ گر ۔۔۔ جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ سہرا جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ ۔۔۔ دولھا! کہان مین بیٹھون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا! مجھے بھی فاطمہؑ کے پاس لیتے جاؤ ۔۔۔ دولھا برابر اپنے میری قبر بھی بناؤ

دولھا مقامِ شرم ہے درد رنہ پھرنے دو
پردہ دلھن کا رکھو کھلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھ کر مرثیہ کے ساتھ بطور ضمیمہ کے شامل کیا ہے جسکا مطلع یہ ہے، ع

کس عادل و منصف کی ہیں دون رُو کے دو ہائی	ہے ہے مرے نوشاہ
سُنتی ہے دُلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی	ہے ہے مرے نوشاہ

یہ تمام قصہ، بالکل بلاغت اور مقتضاے حال کے خلاف ہے، تمام باتون سے قطع نظر کرکے، ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا دولھا پکارتی جاتی ہو کسقدر بیمعنی اور لغو ہے،

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجاے خود ایک قصہ یا حکایت ہے لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضاے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اس کو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اس کی واقعیت کا دھوکا ہوا یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلّمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیاجاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور موثر ہونیکے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوئے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہو سکتی۔

مرثیون مین جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر۔ راہ کی تکلیفات اور مصیبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز۔ حریفون کا قتال وجدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر۔ قید خانہ، دربار کی حاضری۔

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے بلاغت کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً

سفر کی طیاری کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ہین، ان کی تصویر کھینچی جاے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زاد سفر کا انتظام، محملون اور کجاؤن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بھنون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کی جائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے میر انیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، ان نکتون کو ملحوظ رکھا ہے

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اسطرح بیان کرنا چاہیئے کہ پہلے دونون کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جاے، پھر بتایا جاے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھاے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کسطرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھاے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ میر انیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان وزمین کے قلابے ملا دیتے ہین لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین،

غرض ہر واقعہ، اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات اسطرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میر انیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے ہم نے اس موقع پر مثالین، اسلیئے قلم انداز کین کہ آگے چلکر، واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئین گی وہی بلاغت کے لیئے بھی کافی ہونگی،

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ ورتبہ، اور جس سن وسال کے لوگون کا ذکر آے، اسی قسم کے طرز خیال، اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جاے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میر انیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسین ؑ کے سفر کے وقت، محلہ کی بی بیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

ہمسایئون کی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا — کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ — وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لون اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہے ہے، چھ مہینے کے بھی بچہ کا سفر ہے — کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے — رحم اس پہ ہے لازم، کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغرؑ کو جدا کہ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر — اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلمؑ کا خط آئے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

بچون کے ادائے مدعا کا طرز

صغرا نے کہا آپکی باتون کے مین قربان — تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی، مری مشکل کرو آسان — جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

دوسروں کی محبت کا نقشہ

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں وہ جائینگی ہمراہ — کیا اُنس ہے کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو میری چاہ — سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ

چھوٹے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر میں جب ہون گی تو سب یاد کرینگے

خاص عزیزوں کی شکایت۔

عاشق میرے مشہور ہیں بھیا کے ہیں وارثی — دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ و زاری — مین کون ہوں سکینہ ہیں چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
مٹی میری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت ان کی ماں کی حالت اسطرح بیان کی ہے

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر — دولت میری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقیِ کوثر — آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر

کیا ہوگیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین کی رخصت کے وقت شہربانو فرماتی ہیں

کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جایئے — صاحب! کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جایئے

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ کربلا میں پہونچے اور وہاں اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینبؑ اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہیں

کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام — بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پرخطر میں اُترنا تو قہر ہے

عورتوں کی ضعیف القلبی

جنگل میں ہے بشر کیلیے سو طرح کا ڈر
اُٹھتے ہیں بار بار بگولے اِدھر اُدھر
دن کٹ گیا تو ہوئیگی شب کس طرح بسر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر

بچے بھی مارے ہول کے تر ہیں پسینے میں
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے میں

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو محسن ہیں، ان سے بھی لازم ہے مشورت
صدقے گئی جناب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ عباسؑ کو مبارکباد دیتے ہوے فرماتی ہیں ؎

گھر میں سلامت آئینگے جب سرورِ اُمم
تب دونگی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
ہاتوں کو جوڑتی ہے یہ بہنا اسیرِ غم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیّا تمھیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہؑ مبارکباد کو آئی ہیں، تو ان کے صغرِ سن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ میں ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آ کے سکینہ نے یہ کہا
حمیرہ کی لُون بلائین، مین صدقے جھکو ذرا
عہدہ علم کا، تم کو مبارک ہو اے چچا!
مین نے دعائین کی ہین کہو مجکو دو گے کیا

میدان کا رُخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

"جھکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلّاتی ہے سکینہ کہ اے چچے میرے چچا
محمل مین گھٹ گئی ہے مجھے گودی مین لو ذرا
باباسے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو میری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو، میری حالت خراب ہے، ایک اور موقع پر، جب حضرت عباسؑ لڑنے کیلئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کیلئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بصد یاس
کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس

مُنہ مجھ سے وہ موڑینگے نہ مانون گی کبھی مین
گھُٹنوں سے مجھے چھوڑینگے نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ پکارے کہ مین اس آواز کے قربان
ہم جاتے ہین پانی کے لئے آؤ میری جان

دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان — مین گھر سے تمھین جانے نہ دونگی کسی عنوان

بابا کا میرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی، پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے، اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین، حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سنی ہے لیکن قرینون سے اُنکو شبہہ ہوتا ہی، اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ — کیون بی بیو! بچے میرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا! کس سے ہوئی یاس — اے واے مقدر، نہ سکینہ کی بجھی پیاس

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب میرا مُنہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے واے مقدر، نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثارِ نفس کا خیال ظاہر کیا ہے یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لاسکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینبؑ فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضاے شہِ عالی — مین نے تو کوئی بات نہین مُنہ سے نکالی
کیا غم ہے، نہ پوچھا جب مجھے۔ مان سے تو رضا لی — مالک ہین وہی، مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو میرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو میری چھاتی پہ سوئے
کنگھی نہین کی گیسوے مشکین نہین دہوئے
کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
ان کیلئے کب مین نے بسر رات سے کھوئے

کیون روتے ہین یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے
حق دار مین کا ہے کو، میرا کون ساحق ہے

حضرت علیؑ اکبر کو، حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ انکو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علیؑ اکبر بھی، ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ انکو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دین گی، اسلئے اُنھون نے پہلے اپنی مان باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینب سے درخواست کرنے کے لیے سندرات آئے، اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے -

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہندہ نے قیدخانہ مین اہلِ حرم کے دیکھنے کے لیے جانا چاہا ہے، تو لونڈیون اور پیشِ خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتونکو لیکے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ ملگجے ہین بدل ڈالئے لباس
کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس
اسنے کہا کہ ہے میرے دل پر ہجوم یاس

اک دم مین سوگوارون کو مین دیکھہ آتی ہون
کیسا لباس، کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قیدخانہ کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان
چلئیے محل مین - آپ بھلا جائین گی کہان
بی بی! اکوئی اسیرون مین زندہ نہین ہے یہان
قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آیا نجائیگا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائیگا

لونڈیان، ہند کو قیدخانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ یہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین، پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نجائیگا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندہا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قیدخانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا تو بیمار کی آنکھین اُسیرا بند کرین (قیدی ۱۲) | یا ہم آ کر کسی حجرہ مین جدا بند کرین

غور کرو لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کر دو، یا ہم آ کر کسی حجرہ مین اُنکو بند کر دین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیئے، تو اُنہون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
کچھ ڈر نہین، بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے، دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر
دنیا مین نہو گا عمرِ سعد سا بے پیر
گر لاکھ ہون جانین تو نثار سرِ شبیرؑ
کہیئے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے

اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین - بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے - اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف منسوب نہین کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، میدان جنگ کو جا رہے ہین تو اُنکی زوجہ، حضرت شہر بانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو کے بانوے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار
ہے لونڈیون کے باب مین بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہین اس وقت ہ مین نثار
کہیئے جو روکنے کی کوئی اسکے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، آخر مین کہتی ہین ع بی بی مین کیا کرون مرے بچے صغیر ہین

دیکھو بیقراری کی معذرت مین کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے - حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ؎

عباسؑ دیکھتے ہین جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتوان کے پار
روتے ہین خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم مین یون کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبر زہراؑ کے سامنے
روتی ہین لونڈیان کہین آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے -

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ مین کہ نہ زورا اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو یہ ؎

کچھ سوچ کر امام دوعالم نے یہ کہا — زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا — جاکر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کسان ہو خیمۂ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لیے بھیجا ہے تو وہ جاکر مودبانہ طریقے سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلیے پھوپی نے یاد کیا ہے حضور کو۔

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی اپنے شوہر کا استحقاق اسطرح سے بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین — اس عہدے کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"جو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کردینے نے وہ بات پیدا کردی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہوسکتی تھی،

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون

مشکلوں سے عہدہ برا ہوتے ہیں، اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہوگا

بالا قد، و کلفت، و تنومند و خیرہ سر — روئین تن، و سیاہ درون، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر — تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی، طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُسکے اور اُسی قد و قامت کا ایک یل — آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل — جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں ؎

نکلا یہ سُنکے غیظ میں اک پہلوان روم — گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
سرہنگ، پُر غرور، سیہ قلب و نحس و شوم — لشکر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز و بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کی جام — تھرّائے سام، خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
مُوذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام — کھاتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علیؑ کا نام
کُندا سقر کے قعر کا، پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر — پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر میں بد گہر

زنجیرِ آہنی سے کسے جنگ پر کمر ۔۔۔ مُنہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر

دستانے دونوں دستِ تعدّی پہ مندیر
پاکھر بھی آہنی تھی شتی سے کے سمند پر

ایک اور موقع پر ؎

نکلا اُدھر سے بھر وغا ایک روسیاہ، ۔۔۔ زور آور، و تہمتن، و مغرور، و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز، بر میں زرہ، خشمگین نگاہ ۔۔۔ سر پر مثالِ قبضۂ تیغ آہنی کلاہ

آمد شقی کی تھی کہ رواں رود نیل تھا
ہیبت میں تھا جو دیو، تو ہیکل میں پیل تھا

واقعات کے بیان میں، بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہیں سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے - مرزا دبیر صاحب کے کلام میں اسکی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، {میر انیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہیں جسکی تمام کڑیاں آپس میں ملی ہوئی نظر آتی ہیں، }

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے - اسمیں حسب ذیل مضامین بیان کیے ہیں،

حُر کی مدح و صفت - امام علیہ السلام اور اہلبیت کا میدان جنگ میں آنا - دونوں طرف کی طیاریاں - حضرت امام حسین علیہ السلام کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر - عمر بن سعد کا حُر کی طرف مخاطب ہونا اور دونوں کے

سوال وجواب۔ حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفوخواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو وکرم، حُر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول وتفصیل لکھا ہے۔ اسلیئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جاسکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے۔ تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین، ہ

وصف حُر مین ہے زبان معترف عجز وقصور — آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور — مہر افلاک امامت۔ نے کیا رن مین ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہوگئے سُرخ شجاعت سے رُخ آلِ نبی — آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غربی — یکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارون کی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے — نیزے ہاتون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلون مین کماندار بڑھے — بولے شہ یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
(یہان سے امام حسینؑ کا وعظ وتلقین کی طرف گریز ہے)
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوئے اعدا سے امام — اے سپاہ عرب ومصر وری کوفہ وشام

تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام	پسر مصطفےؐ ناطق ہوں سنو میرے کلام

سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور یا جون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حُر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرنا تھا، اسکے لیئے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اسنے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین اس طرح دونون مین تکرار اور رد و کد کا سلسلہ شروع ہوا اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ	عمر سعد نے کی مڑ کے رخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہین شاہ	محسن و منعم و آقا ہے مرا وہ ذیجاہ

اسکے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جاے
سخن حق مین جو شک لاے وہ کافر ہو جاے

دونون مین دیر تک رد و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جا کر ملگیا، اسکو یون ادا کیا کہ عمر بن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تونے اُدہر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دین گے اور تیری جان پر آفت آجاے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس	وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکم ملعون و خسیس	کچھ تردد نہین، کہدے کہ لکھین پرچہ نویس

ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون

ے ستمگر جو بچاتا تھا تو اب جاتا ہون

کہکے یہ جواب سے غازی نے نکالی تلوار
سُرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا یکبار
تن کے دیکھا طرف فوجِ امامِ ابرار
پانون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر ہر بار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدارِ حسین ابن علی جاتا ہے

کیا وہ تین رسالون سے تعاقب ہر چند
کہتے تھے، ہات مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا؟ نہ ملی گردِ سمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند
کیا سُبک ہو کے چمن باد بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباس علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ؎

یان ہوئے علمِ امامت سے شہِ دین آگاہ
ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِّ ذیجاہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان، میرا عاشق میرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسینؑ کا عفو، پھر حُر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُر اثر طریقہ سے ادا کیا ہے پورا مرثیہ پڑہو، اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلہ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبصورتی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جزئیات بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اس لئے اُن کی کلّیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے

اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

مثال ۱، جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادہر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بے رحمی کی داستان سُنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا، لیکن قراین سے اس کو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین، بالآخر اس نے کہا کہ ع اظہار اسم اقدس و اعلیٰ ہین کیا ہے باک، آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اس کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون	مولا نے سر جُھکا کے کہا مین حسینؑ ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین، صرف مذاق صحیح اُن کا احاطہ کر سکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین،

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف اور فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اسپر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسینؑ ہون، لیکن چونکہ مستفسر قراین سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور اس لیے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو، امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لیے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جُھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جُھکا کے کہا مین حسین ہون، لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپ کا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خود ستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا جس طرح

رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خود ستائی نہین خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل مین حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے،

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اسطرح باندھا ہی ع فرمایا مین حسین علیہ السلام ہون، میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلہ کے لئے دونون کے صرف یہ دونون مصرعے کافی ہین،

مثال ۲، میدان کربلا مین امام علیہ السلام، یزیدیون سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا، اور کہا، کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادہر	ہے آج شب کو داخلہ لشکر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچتے ہین، ؎

بگڑے ابو ثمامہ و سعد فلک سریر جوڑا کمان مین، ابن مظاہر نے ایک تیر	تولی زُہیر قین نے شمشیر بے نظیر بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر

عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین بولے پکڑ کے نیچے زینب کے مہ جبین	قبضہ پہ ہات رکھکے بڑھے اکبر حسین شیرون سے کیا ترائی کو لینگے اہل کین

ابو ثمامہ۔سعد۔زہیر قین۔اسد۔عابس۔حضرت امام حسینؑ کے رفقا مین سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپکے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگون کو جس قدر امام علیہ السلام سے قُرب تھا، اُسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے، ابو ثمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہین، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے، زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین اُلٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھہ کے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادون نے نیمچے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے،

مثال ۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے، اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا، تو دشمنون نے چاہا کہ امام حسین علیہ السلام انکو بھی میدان جنگ مین بھیجین تا کہ بیٹا باپ کی آنکھون کے سامنے خاک و خون مین ملا دیا جاے، اس غرض سے انہون نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا، ۵

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ — باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ — بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہین راہ
چھٹتے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجہ کو، داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار — اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار — مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار
آہین نہ بھرئیے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانین ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور — بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور

قوت بدن کی اور ہے نور نظر ہے اور ۔۔۔ سینہ کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزون مین اپنے گیسون والے کو بھیجئے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان ۔۔۔ مرنے کو آپ آیئے اے قبلۂ زمان
مشتاقِ تیر ہین تبر و خنجر و سنان ۔۔۔ جان اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سر انور سے کام ہے

ان تمام اشعار مین دشمنون کی طنز، تعریض، اور لاگ دلا کر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمین واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے، ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلون سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے، یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہین، جسم کی طاقت پر آنکھون کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ مین بھیج دیا تھا تو اس وجہ سے بھیجا تھا کہ عباسؑ کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ انکے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھا دیتے ہین کہ آپکا صبر اور شکر تو مسلّم البثبوت ہے، بیٹے کیلیے یہ بیقراری کیون؟ ان طنزیہ فقرون مین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہے، بالکل تعریض سے بھرے ہوئے ہین، شاہ دین پناہ ۔ قبلۂ زمان ۔ سر انور ۔ ان سب الفاظ کے یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ایسا سمجھتے ہین ۔

مثال ۴۸، واقعہ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُنسے اسطرح خطاب کیا ہے، ؎

تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر سرکشی کرکے نہ سر پر ہے مجھسے شبیرؑ	دیکھکر سیّد سجاد کو بولا وہ شریر شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نرہا
پنجتن اُٹھہ گئے اب زور تمھارا نرہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان قید مین اُنکی ہوا ئی ہے شبّر ہین کہان	کیا ہوئے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر اور ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ان کا جو کچھہ زور ہے وہ جناب رسالتؐ پناہ اور آل عبا کے بل پر ہے، باوجود اسکے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اُس کو خود رسولؐ اللہ کے دنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کہان ہین؟ حسینؑ کہان ہین؟ علیؑ کہان ہین؟ حسن کہان ہین؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار اور حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع "اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے"، بلاغت کی جان ہے، غور سے دیکھنے کی فرمائش اسلئے ہے کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے

شخص تھے کہ اُنکے سر کا کاٹا جانا اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا، عقل مین نہین آسکتا، اس لئے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے،

مثال ۵، ۵

تھرّا رہے تھے سُنکے یہ تاکید خاص و عام ‏— چین پر جبین قریب گیا حُرِ نیک نام
دیکھا کیا شقی یہ نہ حُر نے کیا سلام ‏— کافر سے کیا جُھکے وہ خدا ہی ہو جسکو کام
چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُر نامور ‏— رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کدہر
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نفر ‏— حُر نے کہا کہ مجھکو کچھ اس کی نہین خبر
دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز ‏— مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
سر برہنہ ہون گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز ‏— اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز
دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند ‏— پانی تو تین دن سے ہے پردیسیون پہ بند
تھوڑے بہت ہین یاورِ سلطانِ ارجمند ‏— پس جائین گے اُٹھائیے سوارون نے جب سمند
لشکر مین یان جو لاکھ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتّر جوان ہین

کٹتا ہے اب سر پسر شاہ قلعہ گیر	آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان وپیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر	کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھکو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کرکے، اس ارادہ سے روک لے، باوجود اسکے کہ حر کے ارادہ کی خبر سُن چکا ہے اور جب حُر اُسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل کے ساتھ پیش آتا ہے کہ گویا اسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہوکر پوچھتا ہے ع رن مین سوار تیرے رسالے کے ہین کہ ہر؛ حُر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظر انداز کرتا ہے اور اس بھرے پر چڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری راے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حُر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا۔ اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کُل ایک صف ہے، اور اسمین بھی صرف بہتر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُنکا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرورِ حجاز، کبھی سلطانِ ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی برائی کیجاے تو ڈر ہے

کہ مجریٰ بالکل ہٹنے سے اُکھڑ جائے،

مثال ۶، ص

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام	شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
لِلّٰہ روکئے نہ اب اسے خواہر امام،	وہ امر کیجئے کہ بڑے جس سے میرا نام

بیکس ہون ساتھہ مان نہین، سر پر پدر نہین،
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینبؑ کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین، اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین، لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین، حضرت عباسؑ منت اور لجاجت کرتے ہین کہ لِلّٰہ نہ روکئے۔

اسکے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے، حالانکہ وہ حضرت عباس کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے، خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھہ سے وہ محبت نہین، جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین، یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھہ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی، اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی،

مثال ۷، ص

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے	تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھہ

لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپ کی چہیتی بیٹی تھین بیماری کی وجہ سے ساتھ نہیں لیجاتے صغریٰ نہایت گریہ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھکو بھی ساتھ لیتے چلیے لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُسوقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچّے تھے، خطاب کرکے کہتی ہین کہ اس وقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہوکر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے

مثال ۸، ؎

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم	جوش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم
خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ اُمم	حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسین ؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام، جس سادگی سے لیا ہے کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھ انکا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہوتی، جب کوئی شخص کمالات وفضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین، ان کے سادہ نام لینے سے اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی ایک موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعواے ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ؎

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند	کہ اسکندر آہنگ دارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ وعزت اسقدر مسلّم عام ہے کہ صرف دونون کا نام لے لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر، دارا کے مقابلہ کا قصد کرتا ہے لیکن

یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لئے سننے والون پر کچھ اثر نہین پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو لیکن آج سکندر کی عظمت وشان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا اس لئے شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت کرتا، تب یہ طریقہ بیان موثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب وعجم کے مقابلہ مین پیش آیا۔ چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُسنے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا اس لئے اُسنے پہلے یہ بیان کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے تھے، اس طرح اُسنے عرب کی قدیم حالت کی تصویر کھینچدی اور چونکہ بیان واقعی تھا، اس لئے اس کا پورا اثر ہوا۔ ؎

زشیرِ شتر خوردن وسوسمار		عرب را بجائے رسید است کار	
کہ تختِ کیان راکنند آرزو		تفو بر تو اے چرخِ گردان تفو	

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو خود شوکت وشان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت اور عظمت کا نقشہ کھینچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو۔ آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا۔

مثال ۹، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہو کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لئے اس طرح فریاد کی ہے۔ ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار		الغیاث اے جگر وجانِ رسولِ مختار	

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار　　عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار

پار دریا سے خطا سے میری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجائے

اے مددگار و معین الضعفا ادرکنی　　اے خبر گیر گروہِ غربا ادرکنی
پانون لغزش مین ہین اے دستِ خدا ادرکنی　　ہات باندھے ہون مین اے عقدہ کشا ادرکنی

دیجئے حر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

میرے اعمال مین ہر چند سراسر ہے بدی　　ہون گنہگار خدائے ازلی وابدی
آپ ہین مالکِ سرکارِ جنابِ احدی　　اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی

جو تہیدست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہات زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اس کی تقصیر معاف کردی ہے اور کمال مہربانی سے پیش آئے ہین تو

حر پکارا بابی انت وامی یا شاہ　　قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ　　سب ہے صدقہ انہین قدمون کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہوجائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہوجائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کئے ہین جو اُردو
مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو
تصویر کھنچ جاتی ہے وہ اور کسی طرح ممکن نہین - دعا - استغاثہ اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص

اثر رکھتے ہین، اور اس لئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین - مثلاً الامان - الغیاث، چونکہ حُر عربی النسل ہے اس لئے اس کی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہوسکتے ہین، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین، اور یہ فقرہ ایسا موثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کرسکتا تھا -

مثال ۱۰ - حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرورِ امم
تب دونگی تم کو تہنیت عُہدۂ علم

ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر اُدھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بیٹا انھین سے لگی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر مین معمولی طریقہ کلام یہ تھا کہ مجھکو تم سے بڑی امید ہے، اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی - لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی - اس اسلوبِ کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے -

مثال ۱۱ ؎

پرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین
پیٹتے ہین، خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین

کس کس کے داغ آج جگر پر اُٹھائے ہین
یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہوچکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین - اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال"

ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین، یہ تمھارے لال کا خون ہے۔" انسان کو رنج وغم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غمگسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی امید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو علی اکبر سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور انکو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین۔

مثال ۱۳ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لیے نہر پر جانا چاہا ہے۔ تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا - امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے۔ اُسوقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوئے فرات	پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آگے جو کچھ سبھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت موثر اور بلیغ فقرہ ہے - وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے۔

مثال ۱۴ ؎

قیدی ہون ظلم سے یدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اس لٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہندہ (یزید کی بیوی) قیدخانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ

کو قید مین دیکھہ کر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اس شعر مین قافلے کے ساتھہ لُٹنے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے - حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو، ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھہ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہے جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے - امام زین العابدین ؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴۵

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امام تم پہ کرتا ہے حسین ؑ آخری حجت کو تمام	اے سپاہ عرب و مصر و رے و کوفہ و شام پسر مصحف ناطق ہون سنو مجھ سے کلام

سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

تیسرے شعر مین "وہ مناسب ہو"، کے جملہ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکُّم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اس لئے انھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کردو

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حُسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ نظم و نثر اور تقریر و تحریر مین جو کچھہ جادوگری ہے بہت کچھہ انھی کی بدولت ہے، لیکن جسطرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہے، اس کا اصلی حُسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف، غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے -

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بےمعنی تکلفات پیدا ہو گئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے، اور لطف یہ کہ

آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے، اسی کو کمالِ سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے، ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہوبہو اس کی تصویر کھینچدے تو ہم کو لطف آئے گا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پر لطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہے، اس لیے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطرتی امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دیجائے، مرکب جسطرح کہا جائے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اسطرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی اوّلاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کی طرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا، اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لیے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین، اکثر کلام مین آچکین، مثلاً چہرہ کو پھول۔ آفتاب، مہتاب، آئینہ، سے تشبیہ دے سکتے تھے، سُو سُو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُس کی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھہ لینے کے قابل ہے تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہے کہ مشبّہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی، تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری، نیچرل حالت سے دور پڑگئی ہے اس لیے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈہونڈنا بیفائدہ ہے، تاہم تشبیہ کی خوبیان جسقدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین

مل سکتی، اُنکی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اکثر تشبیہات مُرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مُشبّہ کی رفعت اور حُسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب و ہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میر انیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور اُنہون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا مُنہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اِس تشبیہ نے بدنمائی کے بجائے شان پیدا کر دی

یا مثلاً جب تمام اہل بیت ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جسطرح رشتۂ گلدستہ مین، گلہاے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت نما حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حُسن سے بدل دیا۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نورِ عین پر	پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

یا مثلاً اُن اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؂

کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؂

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنّور گرم تھا شکم خانمان خراب
جوش غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثل تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دیجاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لئے اُن کے ذکر کے ساتھ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے اور اس لئے مُشبّہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ان کثرت سے ہین مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؂

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؂

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آکے اوج سے	پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان	غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین؎

ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ،

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین۔

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس، ؂

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید	جیسے بیاضِ چشم اِدھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ، دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا۔

غیظ اور غضب کی حالت، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو	جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو	جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت،

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے۔

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلی درجہ کی پائی جاتی ہین، اگرچہ فی الحقیقت اُن سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کردیتی ہے۔

گرمی کی شدت کا بیان، ؎

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان	انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان	تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جان

پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہون مین کیا کیا لطافتین اور نزاکتین پیدا کی ہین ؎

کُہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا	ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا

ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِّ خوش آب تھا | لہریں جو تھیں کرن - تو بہ نور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ میں حُبابِ لبِ جو ہیں ٥

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال | سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمیں کے بال

ع چلنے میں نیزے کانپتے تھے مثلِ پارے پیر ٥

یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو | جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ میں شیر کو

گھوڑے کی تعریف — سرعت میں تھا ہرن تو وغا میں ہزبر تھا | ولہ | پستی میں سیل تھا تو بلندی میں ابر تھا

پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے | ولہ | تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی | ولہ | برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثالِ شکمِ مار -

ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا ٥

یارب ترا نامِ پاک جپنے کے لئے | گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس کمان سے | ولہ | گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

گر میاں بھی، تو تیغ دمِ امتحاں نہ تھی | ولہ | یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی

یوں جلوہ گر زرہ میں تنِ سرخ فام تھا | ولہ | گویا بچھا ہوا چمنستان میں دام تھا

چپ ہوں مگر زباں ہے وہی اپنے کام میں | ولہ | گویا کہ ذوالفقارِ علی ہے نیام میں

ناخن نے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا | ولہ | شرما کے مہِ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا -

پلکوں اور آنکھوں کی تشبیہ — ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی میں ٥

کالی وہ ڈاڑھ اور وہ چمکتی ہوئی سناں | غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زباں

ع ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے۔

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین۔

جل کر کبھی تڑپا کبھی پیچھے سرک گیا	شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا۔

	تلوارین منہ چھپا سے تھین سایہ مین ڈھال کے		خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے
	غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے	ولہ	اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے
	سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا	ولہ	دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
	آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر ادھر		ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر
	حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا		لنگر نہ ٹوٹ جاے زمین کے جہاز کا
	ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب		اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب
تلوار	کڑیون سے یون زرہ کی نکل جاتی تھی شتاب سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب		جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب خود ان کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب
گرمی کی شدت	خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب	ولہ	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
تلوار کی ہیبت	ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	ولہ	منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر تھے تہ نشین نہنگ مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

ع ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا	نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا
خاک اُڑتی تھی مُنہ پہ حرم شیر خدا کے	تھا چین پہ چین فرش بھی جنونکون سے ہوا کے

صنائع و بدائع — اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشاپردازی کا دیباچۂ زوال ہین۔

میر انیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ، ایہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میر انیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انہی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انہی کی قدردانی پر معاش اور ضروریاتِ زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انہون نے مجبوراً اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میر انیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انہون نے جواب دیا کہ "وہ نہین، لیکن آخر لکھنو مین رہتا ہے"، تاہم میر انیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین مثلاً صنعت اہمال اور لزوم مالا یلزم وغیرہ وہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین ان سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انہون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی۔ صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے۔ ہم اُن تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالیں نقل کرتے ہین جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین۔

ایہام "کے یہ معنی ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور پیشتر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون،

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے طرح - قسم - طرز - یہان یہی پچھلے معنی مراد ہین؛ یعنی پھول کے مضمون کو مین سو طرح سے باندہ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین لیکن رنگ سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بیساختگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہو جاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، سلمان ساوجی نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا تاہم اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے -

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے، لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہو چکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بناپر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے، لیکن اکثر جگہہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین ؎

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے — اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

ہرچند کہ ہون خسرو اقلیم سخن — پر غیر دوات کچھہ قلمرو مین نہین

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون — قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون

کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے — نیزہ نہین جو پاس تو اس مین بھی نوک ہے

تلوار کی زبان سے

بت توڑ دیے ہین جو سو دیر گئی ہون — خندق کو تو دو ہاتھہ مین مٹی پیر گئی ہون

ع چلائی تھین یہ بات کہ ہمدا جان بچائے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑہ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے، (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑہ کو بھی کہتے ہین) ؎

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہو گیا — ہنگامۂ ظفر خاتمۂ فوج ہو گیا

پکہہ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح		ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھہ مرتبہ آل عبا ہووے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہوئیگا

ع اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھہ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین)

ع دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھہ مین، ؎

پیدل مین تھی نہ جان، نہ دم تھا سوار مین		ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا	ولہ	ہان ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہ ہوگا
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزائے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھہ پہ فرض عین ہو جاتا ہے

ع حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجئے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حد تک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھہ بڑھ کر بیان کیا جائے، لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہو گیا، فن بلاغت کے امام، ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔

یا امین اللہ عش ابدا، — اے خدا کے امین! تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لئے یہ مبالغہ معیوب

اور قبیح ہے شعراے عرب، اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابو تمام کہتا ہے ؎

ولو انّ مشتاقا تکلف فوق ما	فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کرسکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے۔ اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سودا گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین ؎

روبرو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو	ق	پھینکدے لیک کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آوے تو اسے باور کر		عکس بھی آئینہ سے ہونے نپاوے منفک

میر انیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً میر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لیے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کرسکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے، گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ	کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

سرخی اُڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے

آب رواں سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور	جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر اُدھر

مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھہ آبلے پائے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب
کا نور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان
انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑا

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر
ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
کل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو
بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے بروے آب تو پتلی بھی تر نہو

سم

	آنکھوں مین یون بھرے کہ مژہ کو خبر نہو	

حُسن التعلیل، یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بسان جادہ کسیکو تو راہ مست بتلا	سہلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے اور اس لحاظ سے یہ صنعت عین شاعری ہے کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ وصف بھی جسکی علت بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب	ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سرچھپانے کی عِلّت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین، بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے اور حُباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے کہ اُس نے پانی مین مُنہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام، ؎

ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی	ولہ	پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا	ولہ	یہ سُن کے تہلکہ صفِ اعدا مین پڑ گیا ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا
تیغین بھی نیامون مین چرا تھین دم اپنے	ولہ	ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے
ہوگیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش	ولہ	تھم گیا، طبل وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھہ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف) ؎

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر	مونہہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر	تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پانون مین چھالے حباب کے

خاک اڑتی تھی مونہہ پہ حرم شیر خدا کے	تھا چین بجبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق، یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے۔

ع کھلتا نہین کچھہ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، ؎

ہات باندھے ہون مین لے عقدہ کشا اور کبھی		پانون لغزش مین ہین سلے دست خدا اور کبھی
میری قدر کر اے زمین سخن	ولہ	کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا
یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے	ولہ	پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، ؎

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان	پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد ہمین بھول نجانا،

ع فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر، ؎

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک مآب	پرتھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہین ہیچمدان ہون،

ع ثابت ہوا کب صف اول ہوئی آخر،

ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،

ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین ؎

پیچھے کبھی قافلہ سے رہنا نہ انیس		اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے	

ع نیزون سے کہین عقدہ کشا بند ہوا ہے،

۵ مراعات النظیر، یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام شعرا کا سرمایۂ کمال ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی، اس شریعت کا پیغمبر ہے، اسکے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،

منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین ؎

کبوتر ہوتا تھا جاتے پہ راضی		تو بھیجا اُسے روغنِ قاز مل کر	

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنو کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ۔ مثلاً ؎

تا دلِ ہرزہ گردِ من رفت بچینِ زلفِ او		زان سفرِ دراز خود قصدِ وطن نمی کند	
چشمِ بیمار ترا عین بلا مے بینم		لیکن ابرو سے تو چیزیست کہ بالائے بلاست	

بہرحال میر انیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ؎

	جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بچائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے بچائے
	ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	و لہ	پھل ہم کو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

ع آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی سپئے قتل سلیمان، ٥

	اصغر سے اگر اکبر مہ رو نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا
	فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانمان خراب	و لہ	دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب

ع آب بقا بھی ہو تو میرے کام کا نہیں،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی، (تلوار) ٥

	خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اڑ گئے گر پاؤں بچا کر کوئی سر کا
	اس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پاؤں تھے اگلے	و لہ	پایا تھا ثبات قدم پاسے یداللہ
	محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		سمجھیئے اب چوبدار مرگ آیا ہے کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

ع تہ میں تھے سب نہنگ، مگر تھی لبوں پہ جان،

ع کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ٥

	اب تک یہ لڑائی کے نہیں ڈھنگ سے واقف		دونوں میں نہیں ایک بھی جو رنگ سے واقف

ع سب فوج کی تیغیں تھیں اور اک شاہ کا دم تھا، ٥

لف و نشر	واللیل والضحیٰ، رخ روشن خطِ سیاہ ابرو و زلف و رخ شب قدر و ہلال و ماہ		لعل و غزال و گل، لب و رخسار و چشم شاہ تیر و سنان و زرہ مژہ و سر و نگاہ

	چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتی تھیں خاک پر	قبضون سے تیغین جسم سے روحین تن سے سر
تفصیل	کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر	پہچون سے ہاتھ شانون سے بازو تنون سے سر
	قبضہ سے تیغ ابر سے زرہ ہات سے سپر	برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

معملہ	وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا	معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا
	آگاہ ہو کس طرح کہو عمر کو مارا	صمصام کا اک وار ہو کس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اُس دم ہوس ملک عدم ہو

کس کا اسداللہ سا ہوا والد مرحوم	حلال ہم مالک کل طاہر و معصوم
صدر دو سرا رحم دل و سرور مهموم	آسودہ ہر اک سالک و گمراہ و محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار امم ہو ٭
اولاد کا اس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار	اس طرح کا عالم کا مدد اور مددگار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار	وہ اصل اصول کرم داور دادار

حاصل۔ اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسداللہ کو مارا

تلمیح، میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے، وہ عربی فقرون کو اس خوبی سے اشعار مین لاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ؎

حُر پکارا بابی انت و امی یا شاہ	قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوندجہان خذ بیدی خذ بیدی۔ ۹

انصاف کا اس وقت طلبگار ہون تم سے		ہے کون مراد آیہ لا اسئلکم سے
انھی راندون مین ہے اک دختر فرزند نبی	وله	خوگر سینہ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی سے بےپدری تشنہ لبی		دم مبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہر سب کا کون حیات و ممات مین	وله	کسکی ثنا ہے سورہ والعادیات مین
کسکے لئے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے انفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اتارا

انسانی جذبات یا احساسات

”یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین، بلکہ بلاغت سے تعلق رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہے، اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے“

یہ شاعری کی اصل روح وروان ہے، اور اگر مل صاحب کی راے تسلیم کی جاے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہے۔ شاعری درحقیقت مصوری ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات، اور غیر مادی اشیاء کا نقشہ اتارنا مشکل ہے۔ ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین۔ ٹہنیان۔ پھل۔ پھول۔ پتے۔ سب سامنے ہین، اور ہر شخص ان کو محسوس کرسکتا ہے۔ مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچدے۔ لیکن رنج۔ غم۔ جوش۔ محبت۔ غیظ۔ بیقراری۔ بیتابی۔ مسرت۔ خوشی، محسوس اور مادی چیزین نہین ہین۔ آنکھ ان کو محسوس نہین کرسکتی۔ البتہ دل پر اُن کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہین ہوتا۔ اس لئے انکی ہو بہو اور اصلی تصویر اتارنا، مشکل ہے۔

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے اور یہین اُنکی شاعری کی حد اُن کے ہمعصرون سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑون قسمین ہین۔ اور پہر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین۔ مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے۔ لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت۔ بہائی بہائی کی محبت۔ یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ میر انیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان جذبات، اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ، جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھہ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اسکا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مثال ١۔ حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھہ تہا۔ لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لئے انکو ساتھہ نہین لیا ہے۔ رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسین ؑ خود صغرا سے رخصت ہونے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو۔ وہ نہین مانتین۔ اسوقت باپ۔ بیٹی ماں۔ بہائی۔ بہنون پر محبت کا جو اثر ہے، اور جس طرح اسکا اظہار ہوا ہے اسکی تصویر اسطرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تہی زینب کہ پکارے شہ عادل
طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل
تیار ہین دروازے پہ سب ہودج و محمل
رخصت کرو لوگون کو بس اب رونے سے حاصل
چلتی ہے ہوا سرد ابہی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے
نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے
کہدو کوئی گہوارہ اصغر کو بھی لائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے
ڈر ہے کہین گہبرا کے دم اُسکا نہ نکل جائے

باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری — مین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغراؑ مری پیاری — یہ کس کے لئے کرتے ہین سب گریہ و زاری

اب کس پہ مین اس صاحب آزار کو چھوڑون
اس حال مین کسطرح سے بیمار کو چھوڑون

مان ہون مین کلیجہ نہین سینہ مین سنبھلتا — صاحب مرے دلکو ہے کوئی ہاتھون سے ملتا
مین تو اُسے لے چلتی پہ کچھ بس نہین چلتا — رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُسکا بہلتا

دروازہ سے یہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبراؑ کہ بہن آنکھین تو کھولو — کہتی تھی سکینہؑ کہ ذرا مُنہ سے تو بولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہولو — چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو

تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈھو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر — اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگاکر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر — ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھاکر

افسوس اسی طور سے غفلت مین رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے — بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
مُنہ دیکھ کے بانوؑ کا سخن لب پہ یہ لائے — کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اُسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سیّد خوشخو
بیمار نے پائی گُلِ زہرا کی جو خوشبو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو

مان سے کہا مجھ مین جو حواس آئے ہین اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین اماں

مان نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہین مری جان
دیکھو تو ادہر روتے ہین بی بی شہ ذیشان
جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
صغرا نے کہا اُنکی محبت کے مین قربان

وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کُھل کر کہو کیا مجھسے جدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لئے باہر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر
نہ فرش نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبرؑ
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر

کچھ مُنہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیرؑ کا مُنہ تکنے لگی بانوے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم

تم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہین صغراؑ
ہم آج سے آوارۂ وطن ہوتے ہین صغراؑ

اب شہر مین اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحبِ آزار

پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار
تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
بیمار کو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہین ایام
جنگل مین نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
تپ ہے یہ فقط آپ کا ہی شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اُتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر مُنہ سے کہون درد ہے سر مین
اُف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
بچھونے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین

ہو جاتا خفا راہ مین گر روئے گی صغرا
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغرا

وہ بات نہوگی کہ جو بے چین ہون مادر
ہر صبح مین پی لون گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی مین رہین گے علی اصغر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
مین کہہ نہین سکتا ہے مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہون صغرا

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
تو مجھسے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہین سینے مین سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

منہ تکنے لگی مان کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ تو ہے ہم
مان کہتی تھی مختار ہین بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہین صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغرا

صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہین زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مرجائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار
بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبر
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
مین گھر مین تڑپتی ہون وہ ہین صبح سے باہر
وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے

نہ بھائیون کو دھیان نہ بہنون کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
مین کون ہون؟ جو صورت مجھے دکھلانیکو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفین جو الجھتین تو سلجھوانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھکو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہین عباس دلاور
مین کون ہون؟ جو میری خبر پوچھتے آکر
سرسبز رہے خلق مین نوبادۂ شبیر
شادی مین بلائین مجھے یہ بھی نہین باور

سب دولہے منہ کو چھپاتے ہین ابھی سے
مین جیتی ہون اور آنکھ چراتے ہین ابھی سے

کس سے کہون اس درد کو مین بیکس و رنجور
بہنین بھی الگ مجھسے ہین اور بھائی بھی ہین دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی مین ہون مجبور
ہمراہی بیمار کسیکو نہین منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت مین لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت مین لکھا تھا

سب بیبیان رونے لگین سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیر
لو صبر کرو کوچ مین اب ہوتی ہے تاخیر
منہ دیکھ کے چپ رہگئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بلاؤ علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
روٹھی ہے بہن تمسے گلے اُس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کرلو
لینے انہیں کب آؤگے اقرار تو کرلو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
چلّانے لگی چھاتی پہ منھ رکھکے وہ دلگیر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
محبوب ہو اور ترے قربان یہ ہمشیر

صدقے ترے سر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں کے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آن کے بیاہ کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بیمار مرے مہ رو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
ڈھونڈہیں گی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبرؑ

دل سینے میں کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

کیا گزرے گی جب گھر سے چلے جاؤگے بھائی
تشریف خدا جانے کب لاؤگے بھائی
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤگے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤگے بھائی

کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

بات آج یہ ہے کہ بیمار کا بستر نہیں جانا
صحت سے جو ہیں اُن میں کہاں پھر اٹھکانا

بھیّا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجاے مری جان
بیکس مری بچّی ترا اللہ نگہبان صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس کہ کرو گریہ و زاری اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُن کے تمہاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی تب ہے تمہین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی رکھ لون تمہین اماں کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار صغراؑ کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار جُھک جُھک کے دکھاتے ہو جیسے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغراؑ
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغراؑ

مثال ۲- انھی واقعات کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر و بر آئے
دیکھا رخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
مان بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہ دین وہین لائے
بیٹی شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت دے تمھین حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی سے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانئے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ مین تمھین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھُلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تن زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
گھر مین تمھین پانی کی ہڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر

تم جانے کے قابل نہین ہین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمہین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
بچون مین کوئی تمسے زیادہ نہین پیارا
لیجاؤن تو بچنا نہین ممکن ہے تمہارا
مجبور ہون بے ہجر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالۂ و فریاد کرون گا
اُترون گا جو منزل پہ تمہین یاد کرون گا

صغرا نے کہا آپ کی الفت کے مین قربان
صدقے گئی صحت کا بھی ہوجائیگا سامان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
مولا کی توجہ سے ہے ہر اک درد کا درمان

جس پر نظرِ لطفِ مسیح دوسرا ہو
برسون کا ہو بیمار تو اک دم مین شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

کیون روتے ہو بابا یہ تردد کی نہین جا
پہلے سے کہے دیتی ہون اے سید والا
سب سہل ہے کچھ مجکو نہین ہونے کی ایذا
مین خانہ ویران مین نہین رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم مین گھبراتی ہے بابا
ان باتون سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہوجائیگی حضرت کی دعا سے

کٹ جائیگا اندوہ سفر فضل خدا سے | بیماری مین جان آئیگی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہین رو ؤنگی نہ غم کھاؤن گی بابا
لیٹی ہوئی محمل مین چلی جاؤن گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہین آگاہ | مجبور نکلتا ہون مین اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ | بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤن تمہین آہ

آزار رسیدہ ہون گرفتار بلا ہون
گھر چھوڑ کے جلادون کی سرحد مین چلا ہون

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس | دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ایک ایک قدم رنج والم حسرت وافسوس | ہوتا نہین ہر خار کوئی آکے قدمبوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پرہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی | پردیس سے آکر تمہین لیجائینگے بھائی
کی مجھسے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی | ممکن ہے کہ مین اور نکرون وعدہ وفائی

خوش ہون گا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاون گا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا یہ کہ اب ہم سے ہے گھر مین | بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
اک جوش ہوا آنسوؤن کا دیدۂ تر مین | صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر نے دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُسکو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
کی عرض کہ مرجاؤن گی یا سبط پیمبرؐ
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر
بے آپکے اس گھر مین نہ یا شاہ رہون گی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہون گی

سب رونے لگے سُنکے یہ بیمار کی تقریر
چلائی سکینہؑ کہ مین صدقے مری ہمشیر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوے دلگیر
کم سن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل ہی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی اُمنڈ آئی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
مرجانے سے کچھ کم نہین صغراؑ کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانئے کیا ہو

آغاز سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
کیا دیکھین دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام
مان روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہو بر مین
جھولے گی ہڑوہ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغراؑ نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپھی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغراؑ تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین

اماں تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائین گی ہمراہ
بابا کو نہ مان کو نہ بہنون کو مری چاہ

کیا انس کہ ہین گور کنارے بھی تو ہون آہ
سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرین گے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار
زندہ ہون پہ مردے کی طرح ہوگئی دشوار

ہے کونسی تقصیر کہ سب ہوگئے بیزار
کیون بھاگتے ہین سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے مُنہ تکتی ہون جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
چھوڑا سب نے جو سفر کا محل آیا

ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا

دل سخت کیا مان نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسی کا

وہ جانے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے
اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون اے وائے

مین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
کنبے کی جو ہو جانے والی وہی رہ جائے

بیماری مرض مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اُتر جائیگی یہ تپ
تڑپونگی تو جاسکیگی یہ اعضا شکنی سب

ہان درد بھی سر مین مرے ہوئیگا نہین اب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین ٭
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امام دو جہان کی

بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنون کی نہ مان کی

فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
مین گھر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کسکی شکایت
چھوڑا ہمین بس دیکھ لی امان کی محبت

بابا کی یہ تقریر ہے بہنونکی یہ صورت
بولین نہ پھوپھی جان بھی کیہ واہ ری قسمت

فرقت کا الم مرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین لوگو مری تقدیر بُری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے مین واری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریہ و زاری

وہ دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
مین کون ہو سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہوجائے گی حالی
لو مر گئی کہنے کی جو تھی چاہنے والی ٭

جب راہ مین خط پڑھ کے کہین گے شہ عالی
آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی

قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر مین

پھر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو جو یا

سب رو کے کہین گے کہ اُسے ہاتھ سے کھویا

عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا — کیا نفع اُسے کوئی گرڑھا یا کوئی رویا
پرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کینبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوے اکبرؑ — سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سی رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر — اس سینے کے ان ہاتھونکے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تمسے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ — وہ دن ہون کہ پھر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ — صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کیے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھکے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھُلا دیجیو بھائی

رونے کا وہ ہر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری — تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری — کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
ہر بار قناتون کے قریب آتے ہین عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہین عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہین صغراؑ — جلد آتے ہین یا خود تمھین بلواتے ہین صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہین صغراؑ — جان اپنی نہ کھونا تمھین سمجھاتے ہین صغراؑ
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائیگا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ہمسائیان باندہے ہوئے تہین حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تہا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر
رانڈون کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
محتاجون کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقون کی غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغراؑ کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار
اُٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار +
جس ناقے پہ تھی بانوے ناشاد دل افگار
اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
امان مجھے اصغرؑ کو پہر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سُنکر یہ سخن بانوے بے پر
پردے سے جگر بند کا مُنہ کر دیا باہر
بیٹی سے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ
مُنہ زرد ہے رخسارون پہ آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمہین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے مین واری
آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری
بھیا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری
جب آکے پھر اِس جھولے کو آباد کروگے

تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانی حیدر — مرجائیگی اب فاطمہ صغرا مری دختر
حمّالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر — اسواریون کے ساتھ رہین قاسم و اکبرؑ

احباب جو روتے ہین تو غم کہاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تھمین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳۔ حضرت علی اکبرؑ کی رخصت اور باپ ماں کی حالت سے

مونسو مرنے کو ہمشکل نبیؐ جاتا ہے — دولت بانوؑ بیکس پہ زوال آتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے مین بھرآتا ہے — داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے

مان تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد — ہوتی ہے دولت فرزند پیمبر برباد
کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد — جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یان صبر کا مقدور نہین
پہلے فرزند سے مرجائین تو کچھ دور نہین

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے — گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اوجیالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے — کیا کرین صبر کلیجہ ہی تہ و بالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح ماں باپ کے قالب سے جدا ہوتی ہے

داغِ اولاد نہین آہ اُٹھایا جاتا — ایسا بیٹا نہین ہاتھون سے گنوایا جاتا

درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا
زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کھایا جاتا

داغ فرزند حسینؑ ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے
تا کجا صبر کہ ماں باپ کا آخر دل ہے
زخم اکبرؑ نے نہین کھائے یہ ماں بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہووے گی
کیا غضب ہووے گا کیا سینہ زنی ہووے گی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم
شان سے شانے پہ رکھتا ہے کمان وہ ضیغم
تیغ سجتا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئینہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار پارا ہے جگر مان کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے
اُسکو راحت ہے تو ماں باپ کو بھی راحت ہے
زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُسکا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین مسین بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
رنج مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن
منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

مان کو حسرت ہے دلہن بیاہ کے گھر لانے کی
فکریان عین جوانی مین ہے مرجانے کی

مان کو منظور ہے جاوے نہ کہین نورِ نظر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
سید ہی ہو سکتی نہین خم ہوئی جاتی ہے کمر

بہائی کے واسطے قاسمؑ کی دلہن روتی ہے
پکڑے دامانِ قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانوؑ کے جا ہین کہڑے
شوق ہے جنگ کا ہتہیار لگائے ہین کہڑے
ہاتہہ جوڑے ہوئے گردن کو جہکائے ہین کہڑے
مان سے مرنے کیلئے آنکہ چرائے ہین کہڑے

شاہ خاموش ہین پر بول نہین سکتے ہین
کبہی بانوؑ کا کبہی بیٹے کا منہ تکتے ہین

دل سے فرماتے ہین یہ دیکہیے اب ہوتا ہے کیا
بانوؑ دیتی ہے کہ بیٹے کو نہین دیتی رضا
صبر کی جا نہین ہوتا ہے پسر مان سے جدا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا

جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا
حرف رخصت کا نہ بانوؑ سے سنا جائے گا

بانوؑ کہتی ہے کہ کیا کہتے ہین اکبرؑ یا شاہ
انکے جو دل مین ہے کچہہ آپ ہین اس سے آگاہ
دیکہتی ہون مین کہ حضرت کی ہی حالت ہے تباہ
ماجرا کیا ہے یہ کچہہ مجہسے تو کہیے للہ

منہ سے کچہہ کہتے نہین پاسِ ادب کرتے ہین
کون سی چیز ہے جو مان سے طلب کرتے ہین

شاہ فرماتے ہین بانوؑ سے کہ ای نیک نہاد
رازدان ہوتی ہے مان بیٹے کی بابا سوزیاد
پوچہو اکبرؑ سے کہین گے جو کچہہ انکی ہے مراد
حق نہ مان باپ کو دکہلائے فراقِ اولاد

تہا مقدر مین کہ سب ہووین جدا ہم دکہین

اب بہی اُٹھہ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکھین

سُنکے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رو رو — کیا کہا چاہتے ہو مان سے تو اے لال کہو
ہاتہہ کیون جوڑے ہو ان ہاتہون کے مان صدقے ہو — کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی امان ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودہ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے مان ہوگئی زرد — دہیان آیا کہ چلا ہاے پسر ہوکر فرد
مردنی چہا گئی چہرے پہ اُٹھا دل مین درد — دیکھہ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بہر کر دم سرد

تم سے بچہڑون گی تو واری مین کہ مر جاؤنگی
پہر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مرجاؤن گی

کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت — خیر مرنے کو نہ جاوین گے نہ کیجے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بہائی بہتیجے رخصت — مجکو بہی دہیان یہ تہا آپ سے لیجے رخصت

مان سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہراؑ کے پسر پر فرزند — کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
مین نے چاہا تہا کہ ہو آپ کا بہی نام بلند — پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری عرض پسند

آپ کہتی ہین بچاؤ تو بچاوین گے ہم
اپنے ہمچشمون کو پہر مُنہ نہ دکہاوین گے ہم

جائیگا سوے شرب تو بچائے گا غلام — کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام — قید ہم ہون گے کہ لڑنے کا یہی ہے ہنگام

آبرو پاتے جو سرِ تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے — پائنتی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
لاش پر کہتے ملک ہائے علیؑ کے پوتے — حشر تک ہم کو عزادار جہاں میں روتے
جو ہے منظور ہمیں آپ کو منظور نہیں
اب بھی فرماؤ تو میدانِ وغا دور نہیں

بولی ماں ہو گئے آزردہ میں واری بیٹا — گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمھاری بیٹا
باپ پیارا ہے تمہیں ماں نہیں پیاری بیٹا — دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا
پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر میری محنت کی طرف دھیان کرو — اماں واری مری بستی کو نہ ویران کرو
چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو — پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قرباں کرو
مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھا لو بیٹا

ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبرؑ — اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخسار پر
رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر — بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینبؑ کا جگر
لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
لو نہ روکوں گی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

روکے کہنے لگے بیٹے سے امامِ خوشخو — ماں تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہ ہو

پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انہیں دو
تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تمنے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گو رنج و تعب
بانو پر خواہش تقدیر سے ناچار ہیں سب
اس کا میں کون ہوں تم کون ہو جو مرضی رب
زور کیا؟ جسکی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب

اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق میں داغ دکھانے کو ہمیں آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا یہ رو کر
کیوں کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے اوپر
ماں سے چلتے ہوئے آزردہ نجاو اکبر
خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوئے مادر سے میں واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمھاری بیٹا

سنکے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا
عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہے کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
جاؤ رخصت ہی کیا دودھ بھی تمکو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مرجائے گی
ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ روئی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا
غل ہوا بانو نے دی مرنے کی اکبر کو رضا
خاک پر سید سجاد نے سر دے پٹکا
رو کے چلانے لگیں بہنیں کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغر جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کی طرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب مضطر ہے ہے
بانو لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجوان مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہمسے پردیس میں چھوٹے علی اکبر ہے ہے

پاس کوئی نہیں تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا انہیں خیمے سے اکبر نکلے
پر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے ؎
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی ؎

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہات کہا شاہ سے باچشم پُر آب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھامونگا رکاب

باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴ ۔ حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہیں ؎

فضہ سے کہا، کیا ہوا؟ کیسی ہے یہ زاری
شبیر اکیلے ہیں، غضب ہو گیا، واری
سر پیٹ کے وہ خادمہ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبر کی سواری

ماں خاک اڑاتی ہے، پھوپی غش میں پڑی ہیں
سب بی بیاں حلقہ کیئے گرد انکے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں
دریائے شہادت کے شناور سے مل آئیں
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئیں
شبیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں

بھائی کانہیں کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

ضعف نے عصا دے کے، جو بازو کو سنبھالا — بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسوؤں والا
خم ہو گیا تھا، درد کمر سے قد والا — تھرا کے پڑا پاؤں کہیں، اور کہیں ڈالا

اشک آنکھوں سے بہتے تھے، گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے، سر رکھ کے عصا پر

آواز حزیں تھی کہ مری جان برادر — بیمار برادر ترے قربان برادر
ہم آتے ہیں ٹھہرے رہو، اک آن برادر — ذی قدر برادر، مرے ذیشان برادر

بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوئے جاؤ
ہم روئیں تمہیں، تم ہمیں روتے ہوئے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ — آنکھوں کو، ہاتھوں سے قدموں پہ رکھا سر
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر — گردن میں، مرے ڈال دو باہوں کو برادر

شانے کے قریں، زلف معنبر رہے، بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے، بھائی

اے روشنی خانۂ زہراؑ ترے صدقے — اے باپ کے عاشق، مرے شیدا ترے صدقے
اے تشنہ لب، اے بیکس و تنہا ترے صدقے — اے رہرو فردوس معلا ترے صدقے

گھر آج اجڑتا ہے، لٹے جاتے ہیں بھائی
ہم قافلہ والوں سے چھٹے جاتے ہیں بھائی

مثال ۵۔ حضرت امام حسینؑ بہن، بیٹی، اور بیوی سے رخصت ہوتے ہیں۔

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام ؎ تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل مین درد بدن سر و تشنہ کام ؎ طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام

یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے ؎ لائی حرم سے لین ہین ہاتھ تھام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے ؎ سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے

فرماتے تھے ہین علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جان تھے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا تمہین شہید کا دینے کو آئے ہین ؎ کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
پیٹے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین ؎ یہ ہم تمہارے لال کے خون مین نہائے ہین

سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین ❊

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن ؎ اب عنقریب خیمۂ عصمت مین ہین تیغ زن ❊
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزون کے بیکفن ؎ پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن

محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سنکے بی بیون کے جگر پر چھری چلی ؎ زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
سر خفی جہان کے ہین سب آپ پر جلی ؎ جاتا ہے سر کشون مین یہ کونین کا ولی

بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا

آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
فرزندِ فاطمہؑ کی بلاؤن کو رد کرو
دریا کو چھین لو حق زہراؑ سند کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو

پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر مین
حصہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفےٰ بلا مین پہنسا ہے تمہارا لال
یا شیر ذو الجلال دکہاؤ انہین جلال
یا فاطمہؑ مین لٹتی ہون کہولو سر کے بال
یا رب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال

پہر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہون
بہائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمہین
خالق کی یاد سر و علن چاہیے تمہین
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمہین
جو نانا کا تہا چلن وہ چلن چاہیے تمہین

ہر بار پوچھتے تہے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجہ سے محبت ہے اے بہن
کیا کیجے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بہائی کی رخصت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن

ہووے نہ یاد حق کبہی گو حال غیر ہو
اسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکہا یہ کہکے بالی سکینہؑ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

لہ یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جسکا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سُنکر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائیں باپ کی لیکر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہین
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے نا کوئی نہ سوار
اس دشت کین میں قید ہے احمد کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہیں
سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمو تمہارے چھوڑ گئے سبکو جان بلب
بی بی قدم پہ گر کے کہیں کون روکتا جب
دولہا بنے چلے گئے بیٹے قاسم بے سبب
مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب
تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اکدم میں لٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر
بہیجے ہین شیعیان ہین نے بہی نامہ بر
لیکن حسینؑ تک نہوا ایک کا گذر

قریون سے بہی مدد کو جو نکلا وہ گہر گیا
لشکر بنی اسد کا قریب آکے پہر گیا

گہیرا ہے اس لئے مجہے اس بن مین بیگناہ
تا مجہہ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
ہمراہی سب عدم مین وطن دور گہر تباہ

مجہسا بہی کوئی بیکس و بے پر بشر نہو
مرکر نہ دفن ہون تو کسیکو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہوا دہر
ضد کرکے روئیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر
سو رہیو ماں کی چہاتی پہ غربت سے رکہکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننہے سے ہاتہہ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام
تبلائیے مجہے کہ یتیمی ہے کسکا نام
آنکہون سے خون بہاکے یہ کہنے لگے امام
کہل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تابہ شام

بی بی نہ پوچہو کچہہ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جسکا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بُندے اُتار و طوق بڑہاؤ پدر نثار
چہپنا کہین جو لوٹنے آئین ستم شعار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار
دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار

لوالوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین

سونپا تمھین خدا و نبیؐ کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدہر اُدہر
پوچھا کہ ہرین بانو نے ناشاد و نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدہر پیٹتی ہین سر
رخصت کی ہی حضور کے اُنکو نہین خبر

لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تہی لا کے لاش پسر آپ نے جہان
مُنہ اُس زمین پہ ملتی ہین اور ہی لبون پہ جان
کرتی ہین اُٹھہ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان
نعرہ یہ ہے کہ ہائے علی اکبر جوان

وارے گئے نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہِ خوشخصال
دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوئے ہین بال
شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال
اے شہربانو ہوش مین آؤ یہ کیا ہی حال

سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر
کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشمِ تر
تنہا حضور آئے ہین باندہے ہوئے کمر
صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر

ایسے نہین وہ دُکھ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جانِ فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا
امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
وہ تین دن کے پیاس کا مارا کہان گیا
سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا

مرتی ہون اپنے سروسہی قدکو دیکھہ لون
اک بار پہر شبیہ محمدؐ کو دیکھہ لون

وہ گورا گورا چاندسا مکھڑا دکھائین پہر
لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پہر
مجھکو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئین پہر
خوشبو مین تن کی سونگھہ لون جنگل بسائین پہر
تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے
مین دیکھہ لون گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے ادہر
کیا دیکھتی مجھے تو کچھہ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھڑکنے لگا جگر
کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر
آئے تو چپکے آئے گئے سب سے کٹے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھہ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین مین اٹھکر نثار ہون
انکی خطا نہین ہے مین تقصیروار ہون
دائی ہون انکی آپ کی خدمت گذار ہون
اب رحم کیجیے کہ بہت بیقرار ہون
تکلیف گرچہ ہوگی سفر مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نور عین کو

باتین یہ سنکے کہنے لگے شاہ بحر و بر
یارب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
بانو کسے بلاؤن کہان ہے وہ سیمبر؟
ہمشکل مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھہ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمہین دیا تھا وہ اب اسکے پاس ہین

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انہین
ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی انہین

مخفی بہت کیا پہ اجل پاگئی اُنہین
صحراے کربلا کی فضا بھاگئی اُنہین

زندہ نہو گا لال اگر مر بہی جاؤ گی
اب تو کوئی گھڑی مین ہین ہی بناؤ گی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام
دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام
سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار
اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار
بیٹھے کہان یہ بیکس و غمگین و سوگوار

کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام
مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام
گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص و عام

بندی چلی ہے شام کو آل رسولؐ کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال
زہراؑ کی بیٹیون کی رہو تم شریکِ حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونو لال
صاحب تمہارے ساتھ ہے عابدؑ سا خوشخصال

بے وارثون کا وارث و والی اللہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پاؤن کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آ کے رو لیجو — لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے رو لیجو

زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے رو لیجو — قبر رسول پاک پہ ہان جا کے رو لیجو

لُٹنے مین صبر شکر تباہی مین چاہیئے

رونا بشر کو خوف الٰہی مین چاہیئے

مثال ۵، حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بھائی عباس ؑ کے مرنے کی خبر سنکر رزمگاہ مین جاتے ہین

دریا پہ سر برہنہ، شہ بحر و بر چلے — صدمہ یہ تہا کہ ہاتون سے تہامے کمر چلے

اکبر سنبہالے باپ کو باچشم تر چلے — یہ بھی اُدہر چلے، شہ والا جدہر چلے

صدمہ ہے، ضرب غم سے دل پاش پاش پر

رونے کو بھائی جاتا ہے، بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفون پہ خاک ہے — آلودہ غبار الم روے پاک ہے

سوکھے لبون پہ نالۂ روحی فداک ہے — اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے

دست یسار بیٹے کے گردن مین ڈالے ہین

شہ کو جھکے ہوئے علی اکبر سنبہالے ہین

جب پانون کانپتے تھے تو کہتے تہے رو کے شاہ — طاقت بدن کی لے گئے عباس آہ آہ

دریا نہ اتنا دور تہا اے میرے رشک ماہ — رستہ غلط کیا ہے کہ کچہہ بڑہ گئی ہے راہ

ہے دور یان سے یا مرا بھائی قریب ہے

کہتے ہین، وہ ”حضور! ترائی قریب ہے“

القصہ لائے باپ کو اکبر ترائی مین — زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی مین

پائی جو بوے خون برادر ترائی مین — لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین

گذری تھی عمر ہاتھہ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

مُنہ رکھکے مُنہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیون تپلیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
اے شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباسؑ ہین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا

میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ روان نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کاروان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو

مرجاؤن گا مین ساتھہ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھہ کھول کے عباسؑ نامدار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
نکلے جو گُل کے سامنے بلبل کی جان زار

دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سرِ حقیر
ذرّے کو مہر کردیا اے آسمان سریر
عالم کا بادشاہ کجا اور کجا حقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر

پایا یہ اوج مان کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آ گئے
لیکر رسولؐ جام شراب طہور آ گئے

روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے

عشاق مر بھی جاتے ہین زخمی بھی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین تمکو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہمکو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جانِ فاطمہؑ جگر سیّدِ عرب

کس کس کو روئیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپکے ہم
الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم

دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہوگئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
منہ رکھکے شہ کے پانو پہ کھینچی اک آہِ سرد

دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج سبطِ نبی بے یار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبیؐ پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا

لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیّا صدا سناؤ
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
زینبؑ تمھیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہؑ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہو
دریا پہ سوگئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کئے ہو حیا سے تم
کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لون میں ہوا سے تم
ہم اَٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زمان
رونے سے اب ملینگے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلیئے گھر میں لاش علمدار نوجوان
ایسا نہو نکل پڑیں خیمہ سے بی بیان
دریا پہ سنگے سر کہیں بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہ زمان
رو کر امام دین نے کہا جائیں اب کہان
وان بھی مرے لئے وہی رونا ہے جو یہان
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانون پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بیخبر
حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی بہ نوحہ گر
سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر
اکبرؑ علم لئے ہین علیؑ کا نشان نہین

کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
تہا خاک سے بہرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تہا شبیہ الم سر بسر نشان
ڈوبا تہا خون سے پنجہ پُر نور اور نشان
چھپ جاتا تہا پہریرے مین یون کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈہانپ ڈہانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچّون کے ننہے ننہے جگر غم سے پہٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے
ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچّون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جہکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گہر مین حسینؑ آئے
چلّاتے تہے کہ بہائی کو بہائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتہ چہوڑ دیا ہاے ہاے ہاے
چھینا اجل نے ہمکو ہمارے دلیر کو
لو بیبیو ترائی مین رو آئے شیر کو

لپٹی تو تہی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈ یہ تہی پکار
پرچم پہ یون لچکتا تہا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بہی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تہا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
ماتہا بہرا تہا خاک سے بکہرے ہوئے تہے بال
چلّاتی تہی کہ اے اسد کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون تمہین کچہ نہین خیال

جاتا ہے یون جہان سے کوئی آنکھہ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پُرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گُہر
تکلے ٹھکے تھے کرتون کے تھراتے تھے جگر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر

زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر اُنکے نہ آنے کی وجہ کیا
بابا ہمارے گھر مین کب آئین گے ای چچا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

امان کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھین خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُنکے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
رُو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میت نہ اُٹھہ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۱۶، علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُنکے پاس جاتے ہین ہ

جسدم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدھر گیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر / خوشرو پسر سعید پسر قدردان پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر / گم گو پسر شہید پسر نوجوان پسر
متصل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہکے پھر پکار / اک بار یا "شہ دوسرا" کہکے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہکے پھر پکار / صدقے تھے ہو باپ یا ابتا کہکے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مر جاؤن گا مین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون / زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اداس ہون / دم توڑ دو تم تو ہے غضب اور مین نہ پاس ہون
کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈھونڈ کے آنکھونکے نور کو

دوڑے یہ بات کہکے جو سلطان بحر و بر / بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
اٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہوگئی کمر / دیکھا جو زخم منہ کے قریب آگیا جگر
تڑپے جو کر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیر مر گئے

ہوش آیا تین ساعت کامل کے بعد جب / دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ رسول رب
آنسو بہا کے رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب / چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہمکو ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے ادہر اُدہر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھہ کر سرِ پسر
روتے ہو کسکے واسطے اے غیرتِ قمر

یان سے اُٹھا کے آلِ پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھہ لئے آپ کے قدم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھہ نہین ہے غم

ساتھہ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو و بس
ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھہ ہوس
میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس

اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سنکے لینے لگا ہچکیان پسر
سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کی کروٹ ادہر اُدہر

دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادہر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یان بیبیان ہوئین درِ خیمہ پہ بیقرار
فضّہ پکاری ڈیوڑہی سے بڑھکر یہ ایک بار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار

چھریان غم والم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آیئے کہ حضرت زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش / لپٹائے تھے کلیجے سے لخت جگر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش / غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشک قمر کی لاش

زہراؑ کی بیٹیان جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام / تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لئے امام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہ تشنہ کام / جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام

منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہے
اے جان فاطمہؑ مرے بچّے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی باربار / یہ لاش میری گود مین دیجے بہن نثار
طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہ نامدار / صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسم زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھسے بہن اُٹھے گا نہ لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امام پاک / مسند رسولؐ حق کی بچھائی بروے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہ دردناک / دل بی بیون کے ہوگئے سینے مین چاک چاک

پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین ✤

لاشے کے پاس ہائے پسر کہکے مان گری / ہاتھون سے دل پکڑ کے پھپھی نیمجان گری

دل پر ہراک کے برق غم نوجوان گری — غش ہو کے یان گری کوئی اور کوئی وان گری

چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اولٹ گئی

مثال ۷، حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتلگاہ کی طرف جاتے ہین۔ اُسوقت کی اضطرابی حرکات، اور باپ بیٹے کی گفتگو ہ

سُنکر یہ استغاثہ فرزند خوشخصال — ستار نے آہ کی کہ ہلا عرش ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال — بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال

ہے ہے پسر سے کونسی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

نیزے سے کسکے لال کا ؟ زخمی ہوا جگر — کرتے ہین کسکی لاش کو پامال اہل شر
کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر — اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر

پردا نہ مجھسے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار — وہ پیاس اور وہ دہوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تہا اُلٹ پلٹ تو کلیجہ تہا بیقرار — اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار

چلاتے تہے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدہر کو اے علی اکبرؑ جواب دو — چلا رہی ہے ڈیوڑہی پہ مادر جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو — بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو

گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھہ سوجھتا نہین مین کدہر جاؤن کیا کرون
اے نور چشم تجکو کہان پاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان دل کسے سمجھاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے مین لاؤن کیا کرون
پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہمنے کھودیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
اے جان ناتوان، تن مجروح سے نکل
ہان اے نفس اخیری کیطرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اُسکا ساتھہ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے جو اس بہرے نہر پر گئے
وان بھی جو وہ گہر نہ ملا سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تہامے سنے لہو کے برابر جدہر گئے
ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہین نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفون کے پاس پکارے باشک و آہ
ہے کسطرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمون یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
کس ابر مین چھپا ہے مرا چودہوین کا ماہ
بتلاؤن جان ہے کہ نہین جسم زار مین
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار مین

لاش پسر کو ڈہونڈھتے تہے شاہ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر

کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر کس کو حضور ڈھونڈتے ہین، مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائین گے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو

یہ سُنکے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھکو لاش مرے نور عین کی
کس دشت مین پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابون کے حلقون سے چشم نم ہے ہے اسی مین تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لون مین اسیر غم اکبر کے ہاتھ مین تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پائون مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوے دشت کی نظر یعنے کہ لاش آپکے پیارے کی ہے ادہر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر
جنگل مین لاش پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالت فرزند نوجوان پیکان گلے مین ہونٹون پہ نکلی ہوئی زبان
تن پر جراحت تبر و خنجر و سنان گردن تھی کج ابھری ہوئی آنکھون مین پتلیان
ٹاپون سے مرکبون کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک مین گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہین وا کر کے چشم تر
اے جان جسم زار مین اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لون
مہلت بس اتنی دے کہ مین بابا کو دیکھ لون

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
حضرت زمین پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
زندہ رہے یہ پیر جوان یون جہان سے جائے
اے لال تین روز کے فاقے مین زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بیقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیون کھینچتے ہو پاؤن کو اے میرے گلعذار
کیون ہاتھ اُٹھا اُٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
آنکھین تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار
بیٹا تمھاری مان کو تمھارا ہے انتظار
بہنین کھڑی ہین در پہ بڑے اشتیاق مین
اکبرؑ تمھاری مان نہ جیے گی فراق مین

غش مین سُنا جو ہین علی اکبرؑ نے ان کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون
اعدا نہ دینگے بوند اگر لاکھ کد کرین

بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال
گویا جناب سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلائی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سنان سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لنبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نور عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
خوشرو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز تھین مسین ابھی ایسے مُسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیجواس ادھر سے وہ نوحہ گر

سیدانیون کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدھر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو روان جو تن پاش پاش سے
سب بی بیان لپٹ گئین اکبر کی لاش سے

مناظرِ قدرت

عربی اور فارسی مین مناظرِ قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو مین تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اسلئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہین، لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

(صبح کا سمان)

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح

ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب

در کھُل گیا سحر کا، ہوا بند بابِ شب
دفتر کشائی صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا ✤
سلطانِ غرب وشرق کا نظم ونسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان
آئی بہار مین گلِ مہتاب پر خزان،
چُن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
مُرجھا کے رہ گئے ثمر و شاخ کہکشان ✤

دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے ✤
پژمردہ ہو کے، رہ گئے غنچے نجوم کے ✤

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا وہ نور
یاد خدا مین زمزمہ پردازی طیور
خنکی ہو جس سے چشم کو، اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو، ملک آسمان پہ
جاری تہا، ذکر قدرتِ حق، ہر زبان پہ

وہ سرخی شفق کی اُدہر چرخ پر بہار
شبنم کی وہ گلون پہ گُہر ہائے آبدار
وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
پھولون سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کُھلے ہوے، وہ گلون کی شمیم کے
آتے تہے سرد سرد وہ جہونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمین رشکِ آسمان
چھٹکے ہوے ستارون کا ذرّون پہ تھا گمان
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سمان
نہر فرات بیچ مین تہی مثل کہکشان

سرسبز جو درخت تہا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح — گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکون کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجون کا پیچ و خم — سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائرون کے غول درختون پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریونکی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان — تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
ذرّون کی روشنی پہ ستارو نکا تھا گمان — نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد — مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکتی تھی پھونک پھونک کر قدم اپنا ہوا کے سرد — یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

دہوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا

سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سمان باندھتے ہین ؎

وہ صبح اور وہ چھانون ستارون کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے، ارنی گوی اوج طور
پیدا گلون سے قدرت اللہ کا ظہور　　وہ جابجا درختون پہ تسبیح خوان طیور
گلشن خجل تھے، وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولون کی باس سے

ٹھنڈی ہوا مین سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختون کا، پھولون کی وہ مہک　　ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے، گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا　　دراج وکبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل، وہ نالۂ مرغان خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولون سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گلفروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار　　پھولون پہ جابجا وہ گہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخون کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم　　کوکو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم

سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم | جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے رب عُلا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے، یہ کہتی تھی بار بار | اے دانہ کش ضعیفون کے رازق ترے نثار
یا حی ویا قدیر کی تھی ہر طرف پکار | تسبیح تھی کہین، کہین تہلیل کردگار

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

گرمی کا سمان گرمی کا سمان شعرائے فارس نے باندہا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جس مین قصیدہ کی تشبیب، گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال | کہ قطرہ بر لب جوی کند نیابت خال
ہوا ز مہر بتفسید گی چنان گردید | کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صائب ایک قصیدہ مین گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہین ؎

نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوضہا | کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

گرد باد، از پے آن مے جہد از جا کہ براہ | پا ے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان

بگولا

میر انیس بھی، اگرچہ رواج عام کے اثر سے، نیچرل حالت سے، جا بجا تجاوز کر گئے ہین تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایان ہے، ؎

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب | کالا تھا، رنگ، دہوپ سے دن کا مثال شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دہوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاے راہ مین
پڑجائین لاکھ آبلے، پاے نگاہ مین

کوسون، کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا، صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوی تھی پھول کی، ہر شاخ باردار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ، دہوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا، جو گرتا تھا، دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گمان
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان
تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب وتب کی تاب	چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب	کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کُرۂ زمہریر میں

جو لوگ کہتے ہیں کہ میر انیس کے ہاں خیال آفرینی اور مضمون بندی نہیں ہے، وہ ان اشعار میں سے اُن شعروں کو دیکھیں، جہاں نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی میں سین کہتے ہیں، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔

عام واقعہ نگاری اور سین میں یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری میں ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس شعر میں ؎

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تھا یہ جلال آل سے تشنگی سے پیام

لو کا چلنا۔ خاک کا اڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا۔ فوجوں کا امنڈنا۔ ہر چیز کو الگ لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنعت کو جس کمال تک پہنچا یا اردو کیا فارسی میں بھی اسکی بہت کم مثالیں ملتی ہیں، ہم چند مثالیں ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مثال ۱ ۔ حُر نزع کی حالت میں ہے، امام حسین علیہ السلام اس کے سرہانے موجود ہیں اسوقت کی حالت اور گفتگو سے

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیئے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
پڑھیئے یسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشین
لیجیئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزین
بات بھی اب تو زبان سے نہیں کہی جاتی ہے
کچھ اثر یاد کیجیئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق، چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے اے بھائی
چل بسے حُرِّ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

مثال ۲ ۔

گرمی کی شدت میں لوگوں کی حالت

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
پانی نہ منزلوں، نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
سونلا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
راکب، عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
تونسے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرے عرق میں تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے

گیسوے مشکبار اٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار ۔۔۔ معصوم پانی مانگتے ہین روکے بار بار
بانوؑ پکارتی ہے کہ اے شاہ نامدار ۔۔۔ گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار

کیونکر یہ دکھ اُٹھے چھ مہینہ کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا ۔۔۔ محمل مین گھٹ گئی مجھے گودی مین لو ذرا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا ۔۔۔ ٹھنڈی ہوا مین لے کے چلو تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

مثال ۳

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بحال زار ۔۔۔ لائے حسینؑ ہاتھون پہ اک طفل شیرخوار
دن کو ہوا قران مہ و مہر آشکار ۔۔۔ مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار

تھا فرط غش سے ننھا سا منہ کا ڈھلا ہوا
باندھے ہوے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر ۔۔۔ ماتھا جھنڈولے بالون مین ہالے مین جون قمر
جنتی ہوئین وہ جن پہ تصدق دل پدر ۔۔۔ آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر

سایہ مین دامن خلف بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل ادھر اُدھر
باچھوں سے تھا نمود جسے دودھ کا اثر
خشکیدہ ہونٹھ موے مژہ آنسوؤں سے تر
ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر
ننھے سے دل کو ماں کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اسکا سرد تھا

کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دم سحر
گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دم بدم جو دم اسکا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دیدے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجوں کی آمد و جنگ سامان کی طیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیڑ
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

سکّے کٹے ہیں شام کے حاکم کے جا بجا
آکر اترتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
ہر یک [illegible] سے ہے طلب لشکر جفا
لیتا ہے جائزہ عمر سعد بے حیا
غل ہے کہ کرینگے قتل جو زہرا کے ماہ کو وہ
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بیشمار
ہے جا بجا درستی اسباب کارزار

ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار — خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار

نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

ولہٗ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب، یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک — قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرتِ افواجِ نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثلِ خارزار — ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار

پیکان باہم تھے جیسے ہوں گل سب کھلے ہوئے
گوشوں سے تھے کمانوں کے چلّے ملے ہوئے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے برچھیوں کی صورتِ مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب میں ہے تلخیٔ اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو سر کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

مثال ۵۔

سفر کی طیاری

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش — عمامے سروں پر ہیں عبائیں بسرِ دوش

یارانِ وطن ہوتے ہین آپسمین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

منہ ملتا ہے روکر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

ہم سنون کی وداعی ملاقات

عباسؑ کا منہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر یداللہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ

ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہین وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہین ہمسن
کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلیگا تم بن
اس داغ سے جیین آئے ہمین یہ نہین ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہین دن

تم حضرتِ شبیرؑ کے سایہ مین پلے ہو
کیون دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
ہان بھائیو تم بھی ہمین یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
ماموں رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہین پیہم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پرنم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جسمین نہین ماتم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہین قبرِ نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم۔

تدبیرِ سفر مین ہے اُدھر سبطِ پیمبرؐ
گھر مین کبھی آتے ہین کبھی جاتے ہین باہر
اسباب نکلواتے ہین عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبرؑ
شہ کو جنہین لیجانا ہے وہ پاتے ہین گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گھوڑے

حاضر درِ دولت پہ ہین سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے، اور کوئی ہتیار
ہودج بھی کسے جاتے ہین محمل بھی ہین تیار
چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہین
پردے کی قناتین لئے فراش کھڑے ہین

عورتین کیونکر رخصت ہوتی ہین۔

عوراتِ محلّہ چلی آتی ہین، بصد غم
کہتی ہین یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہین کم
پرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہی ہر دم
فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

عورتون کا سمجھانا کہ یہ سفر کے دن نہین

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلمؑ کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہووے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانین کہ پھر آئین نہ آئین شہ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہین نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہین

اب اُن کی جگہ آپ ہین یا شاہِ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ

ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ
ان کو تو نہ لیجائیں سفر مین شہ ذیجاہ

قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

مُنہ دیکھ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہان اور کہان نرم بچھونا

آرام سے مادر کی کہان گود مین سونا
لکھا تھا اسی سن مین مسافر انہین ہونا

کیا ہوگا جو میدان مین ہو اگرم سے چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائین گے مان ہاتھ ملے گی

اُن بی بیون سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر مین رہنا نہین ملتا کسی تدبیر

بہنو ہمین غربت لیے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہین کہ مجبور ہین شبیرؑ

مجھکو بھی ہے یہ رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہین سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہین سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت مین زن و مرد اور بچون کی حالت

گرمی کی شدت

مصحفی تھے خضر شدتِ گرما سے حجر مین
نہ حجر مین راحت تھی کسی دل کو نہ بر مین

چلتی تھی یہ لون آگ بھڑکتی تھی جگر مین
جھیلون مین نہ پانی تھا نہ چشمے تھے شجر مین

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتین بھی نہ آتی تھین، کنوین خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسد اللہ کے پیارے
دھڑکا تھا کہ یہ یوں کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

گرمی کی شدت سے ایک ایک شخص کی حالت -

تھا گرمی کی حدت سے یہ حالِ شہِ ابرار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق، سرخ تھے رخسار
تحمید میں جنبان تھے لبِ لعلِ گہر بار
بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہو گا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم
منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورتِ ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا، اور طبع بھی برہم
فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہِ عالم
تم شیر ہو، راحت تمھیں بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینے میں نہائے
جیسے تپِ محرق میں جوان کو عرق آئے
جب چھلکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے
ربِّ دو جہان حشر کی گرمی سے بچائے
گزرے گا ہر اک دم، تپشِ دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر، ڈوبے ہوئے ہونگے عرق میں

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم
محمل میں گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم
برسے گی یوں ہی آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہیں ابرِ کرم آپ کرم کیجیے بابا

سایہ کہین مل جائے تو دم لیجیئے بابا

سُنکر یہ بھتیجی کی صدا حضرتِ عباسؑ
کہتے تھے چچا صدقے تیرے ہو، رو دو نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس
دم گھٹتا ہے محمل مین تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمہاری ہمین منظور نہین ہے
دن ڈہلتا ہے، منزل بھی بس اب دور نہین ہے

مشکین لیے سقّے جو سواری کے تھے ہمراہ
بھر لاتے تھے پانی، سپہ فوجِ شہِ ذیجاہ
جسطرح کہ پیاسون کا ہو مجمع بسر راہ
پانی پہ گرے پڑتے تھے یون شہ کے ہوا خواہ
جنگل مین عطش کا جو تہا صدمہ کہ و مہ پر
چہرے پہ چھڑکتا تھا، کوئی کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیرین

بھرتا تھا دمِ سرد، پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دہو کے
بچتا تھا کوئی لُون سے، ردا چہرے پہ رو کے
رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے
پڑتی نہین جو چھینٹین تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلّو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے ترین ناقون کے آکر شہِ ابرار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہین پردار
اے بنتِ یداللہ سکینہؑ سے خبردار
رستا یہ پہاڑون کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچون کو چھپائے رہو، لُو آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے یداللہ کی جائی
کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہین راحت نہین پائی
فریاد بہن دھوپ مین سنولا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل مین امام دوسرا پر
سایہ بھی درختون کا نہین ظلِ ہما پر

صدقے گئی جنگل کی ہوا دہوپ مین چلیے
دن کاٹیے سایہ مین کہین رات کو چلیے
منہ دہوئیے دم لیجیے پوشاک بدلیے
لون چلتی ہے آفت کی پہاڑون سے نکلیے

ناشاد ہین آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مرجائے تو کیا ہو

مثال ۷ ۔

لڑائی کی طیاری

طبل جنگ بجنے پر شجاعون کی کیا حالت ہوتی ہے۔

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اُدھر بھی صف
تیرون نے رخ کیا سوے ابن شہ نجف
سینون کو غازیون نے اُدھر کر دیا ہدف

تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آگیا وغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوے مومنون کے رنگ
فوجون پہ جا پڑین یہ دلون کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیان جو سنبھالین برائے جنگ
بیچین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ

پاس ادب سے شاہ کی رخصت پہ تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہین کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائین گے عمر و شمر شوم کے

نامرد جو ہین آنکھ چراتے ہین مرد سے

دونون کو چار کر کے پھرین گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانون مین داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشون سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانان نام ور
کہتے تھے تیغ کھینچ لیے وہ غیرت قمر
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کوفیون کو دے ہمین ظفر
سرکے نہ پیر وغا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر در یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۹

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ ادھر ہوتی ہے اعدا کی چڑھائی
سیدانیان دیتی ہین محمد کی دہائی
تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو تیغ لڑائی
ڈوبے ہوئے خون مین شہدا گرد پڑے ہین

گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابش خور سے عرق افشان رخِ گلفام — لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
لون چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام — تنہا پہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین آگ مین تینون کے کہڑی پر نہین کچھ غم — اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
ہین گرد بیابانین اُڑے گیسوے پر خم — نیلے ہین لب لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکرِ غمِ عباسؑ بھی اصلا نہین کرتے — غیرت سے نظر جانبِ دریا نہین کرتے
خونِ علی اکبرؑ کا بھی دعوا نہین کرتے — امت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بھی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹-

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ مین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ — آ آ کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ — یان تک کہ بند ہو گئی چارون طرف سے راہ

فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اک رات مین چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آپہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم

جسکی جلو مین لاکھہ سوارون کا ہے ہجوم
لشکر مین یکہ تازِ جوانانِ شام و روم

بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشان
امڈا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران

موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس رواں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان

ہلتا تہا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تہا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرستار میون کے دل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل

مکار و اہل نار و دغا باز و پر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد ابرون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے چلے دو طرف سوار
غل ہوگیا اسلامی کے باجون کا ایک بار

ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسمان کے پار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون کے گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ - حضرت عباس نہر سے مشک بھر چکے ہین اور واپس آنا چاہتے ہین، دشمن یہ دیکھہ کر ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہین حضرت عباسؑ اس کشمکش مین ہین کہ آپ کو بچائین یا مشک کو سنبھالین اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر ہے

اک تشنہ کام لاکھون مین کس کس کو دے جواب
شل ہو گیا تھا بازوے فرزند بوتراب
کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھہ مین نہین ہے تاب
ڈرنے مین فکر تھی کہ نہ ضایع ہو مشکِ آب
پروانہ تھی جو بازوؤن پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
اِک شیر سے ادہر کبھی جھپٹے اُدہر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازؤن کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوے آسمان کبھی
ہونٹون پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی در نشان کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانون مین داب کے
قدمون سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹین لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تہین مشک پر
دامن سے پونچھتے تھے علمدار نامور
یہ پاس تھا کہ تیغون سے ٹکڑے ہو میرا سر
شُقّہ مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر
اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا مین مین رہون نہ رہون یہ نشان رہے

ولہ

گر گر کبھی اُٹھے ہ کبھی رکھا زمین پہ سر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادہر لی کبھی اُدہر

اُٹھ بیٹھے جب، تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے، جب منہ کے بل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے
آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ وہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

آ پہونچی جو ناقے کے قریں دختر حیدرؑ
قصہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ

فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اُٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہونچا
کرسی سے اُٹھے آپ شہ یثرب و بطحا

گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا — محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ

اک ہاتھ علی اکبرؑ نو بیجاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ یداللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہ کو لگائے ہوئے اُترین — آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُترین
شہزادی کو چادر مین چھپائے ہوئے اُترین — پردا اٹھا کہ سر کو جھکائے ہوئے اُترین

مثال ۱۳- عون و محمد میدان جنگ مین لڑ رہے ہین، سیدانیان دروازہ پر بدحواس کھڑی ہین حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہین کہ میرے بچے کیا کر رہے ہین؟ وہ جواب دیتی ہے ؎

سیدانیان دروازہ پہ تھین کھولے ہوئے سر — اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے پر
فضہ تھی پریشان، کئے مو خیمہ کے اندر — پردہ سے لگی، کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا مجھے، بچے مرے کیا کرتے ہین دونون
وہ کہتی تھی لاکھون سے وغا کرتے ہین دونون

وہ رخ پہ نظر آتے ہین، اڑتے ہوئے گیسو — وہ تیغین بجلی کی طرح گرتے ہین ہر سو
ڈھالین لئے وہ بھاگتے پھرتے ہین جفاجو — وہ ابر مین چھپ چھپ کے نکل آتے ہین مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیون سے - چور ہین دونون
کس طرح پکارون کہ بہت دور ہین دونون

مثال ۱۴- حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہین- گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا- پانی دیکھ کر بیتاب ہو گیا ہے، لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین- اس وقت گھوڑے کی حالت ؎

دو دن سے بے زبان پہ جو تھا آب و دانہ بند — دریا کو ٹھٹھکا کے لگا دیکھنے سمند

ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا مُنہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں داخلہ، رُفقا سے خطاب، اور نوجوانوں کی سیر و تفریح

اُترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا
جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو، کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے، عرض کہ اے شاہِ ارجمند
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شبیرؑ اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا میں اُڑتی ہیں؟ ہاتوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی اور دشمنوں کا نرغہ

موسمِ خانۂ زہراؑ پہ تباہی ہے آج
گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج

تن تنہا خلفِ شیرِ الٰہی ہے آج
خلق سے سبط نبیؐ خلد کو راہی ہے آج

قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیرین ہین
اک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑون شمشیرین ہین

نیزے تانے ہوئے اُمڈے چلے آتے ہین سوار
ہین کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغین کھینچے ہوئے چوگرد کھڑے ہین جرّار
غل ہے مہلت نہ ملے سبط نبیؐ کو زنہار

برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جس طرف دیکھتے ہین موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی
نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہین اتنا ہے خبر پوچھے جو آکر کوئی
ایک اللہ تو ہے اور نہین سر پر کوئی

تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہین
اپنی تنہائی پہ شاہ دو جہان روتے ہین

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر
خون مین سر تا بقدم تر ہین جناب شبیرؑ
رو کے فرماتے ہین اعدا سے کہ اے قوم شریر
کیا گنہ ہے مجھے کیون مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ مین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریاد امام عالی
برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
ماہ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی
خون مین تر زلفین ہین یا تنکے ہے پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جان پدر

تہام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہوکہ لیتے نہین بابا کی خبر

مرے پیارے مرے جانکے مرے دلبر اُٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اُٹھو

لاش عباسؑ سے کرتے ہین بصد یاس بیان
وقت امداد و اعانت ہے برادر قربان

اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدہارے ہو کہان

لاکہہ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تمنے بہائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تہے اہل ستم حال سُناتے ہو کسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکہاتے ہو کسے

مرگئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہو کسے
چونکتے ہین کہین مردے بہی جگاتے ہو کسے

حلق پہ خنجر خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمہین بہی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوج ستمگار سے شاہ
غم مین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالۂ و آہ

ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ
اُن کو روؤن گا مین جبتک کہ جیون گا واللہ

بہولتا ہے کوئی اسطرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین چلتی ہے لون دہوپ کی شدت ہے کمال
سُرخ ہے خون سے قبا دہوپ سے رخسار ہے لال

جیٹھہ بیساکہہ کے ایام ہین اور وقت زوال
نکلی آتی ہے زبان مُنہ سے یہی پیاس کا حال

تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے

ریت اوڑ اوڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اس چاند سی پیشانی پر
خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
ہے عجب بیکسی اس فاطمہ کے جانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر

تیغین کھا کھا کے لبِ خشک جو کملاتے ہین
تیر اُدھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہین

جون کمان کٹ گئے تنگ آئے ہین ابروے خمدار
ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھین گلنار
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تھے رسولِ مختار
پیاس سے سوکھ گئے ہین وہ لبِ گوہربار

چاند سر شق شدہ تھا جن پھول سے رخسارون سے
چاک ہین مثلِ کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن ید اللہ کے دونون بازو
ہاتھ ہیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
اونگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو

پر یہ ہے ہمتِ امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھون کو اُٹھائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہِ عالم
کمرِ پاک ہے بارِ غمِ عباس سے خم
علی اکبر کی جوانی کا ہے جی پہ الم
زانو پہ مارتے ہین دستِ تاسف ہر دم

وار سے تیغون کے اعضا سے بدن کٹتے ہین
کیسے [illegible] سر کے ہین شیرون سے کہ قدم ہٹتے ہین

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
کبھی سو تیر ہین گردن سے کبھی پہلو [illegible]

پال سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار — نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہے نہ تاب رفتار

تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر مُنہ شہِ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین اے میرے رفیق و ہمدم — ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
ہمسے تو چھٹتا ہے اب تجھسے جدا ہوتے ہین ہم — مرکے بھی تجھکو نہ بھولون گا ہین خالق کی قسم

خلق سے سوے عدم کوچ کی تیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح مین بھی ہون زخمی واللہ — فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بیدانہ و کاہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ — تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ

تو زبان خشک جو مُنہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسرِ ساقیِ کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ١٧- اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے ہ

آج شبّیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے — ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکرِ اعدا مین صف آرائی ہے — یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب — ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پُرآب — تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب

شدتِ ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین

سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے
شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے
لاکھہ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے

فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے
ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے
تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے

ضرب شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھین ہین سر پاک جھکا جاتا ہے

گرد زہرا و علیؑ گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخم جبین سے پیہم
دست مجروح سے کچھ سکتے نہین تیر ستم
فکر ہے بخشش امت کی کچھ اپنا نہین غم
کرتے ہین حمد خدا خشک زبان ہے ہر دم

ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُر خون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوش محمدؐ کا مکین
چمن فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہے سرور دین
ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگین

پانوں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

لاکھ شمشیر زن ہیں اور ایک تنِ اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالموں کا لشکر ہے
سیکڑوں خنجر فولاد ہیں اور اک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے

باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اٹھا سکتے نہیں
سامنے اہلِ حرم روتے ہیں جا سکتے نہیں

کوئی سید کا نہیں آہ بچانے والا
حربے لاکھوں ہیں اور اک زخم اٹھانے والا
پیاس ہیں کوئی نہیں پانی پلانے والا
سینے [illegible] بھالوں پہ برچھیوں کا [illegible] والا

چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبانِ خشک سے لب جلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایہ نہیں ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی شدت سے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دل جو ذرا ہلتا ہے تو حضرت ہو جاتے ہیں نڈھال

مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
نیّرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر
بھر دو پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہلِ کین سنتے ہیں [illegible] تیغِ ستم چمکا کر
آب شمشیر [illegible] کھا کر

یہ سخن تشنگی بھی غصہ نہیں فرماتے ہیں
پاس [illegible] دیکھ کے رہ جاتے ہیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے ربِ غفور
تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور

ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہیں مجھکو منظور	کرتے ہین یہ مجھے بیجرم وخطا تیغون سے چور

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشا پرداز لکھتا ہے۔

"فارسی مین صدہا نظم ونثر کی کتابین ہین جن کے خیالات، باریکی اور تاریکی عبارت مین، جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی ماں کا دودہ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اسکا کیا حال ہوگا"

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جا سکتا، لیکن کچھ شبہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین، وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مورخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تہین، اس لئے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی اُردو زبان کی نسبت جو کم مایگی کی شکایت ہے وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار۔ معاشرت، کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر اگر اُردو نظم مین، کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھہ سکتے،

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم وکاست نظم کردے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے شاعری کی چندان ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات، اپنی طبیعت سے پیدا

کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے، ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کر لیتا ہی اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی **واقعہ نگاری** کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط، اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت، شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لیے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے، مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیے جو اس حالت مین پیش آتی ہین مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے ؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے ؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے ؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین، آغاز کی کیفیت، کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے ؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے ؟ پھر جُدائی جُدائی مین بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن وشو کی جدائی۔ احباب کی جُدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف، اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو موثر پیرایہ مین ادا کرنا شاعرانہ واقعہ نگاری ہے،

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح وشکست، سفر و حضر۔ بیماری و موت، قید و بند۔ دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو ہو بہو ادا کر سکنا، کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ۔ ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین، استعمال مین نہین آئین اس لیے آج نئے سر سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہوجاتا ہے، نظیر اکبرابادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اسکا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین

اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ ان کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے لیکن اکثر جگہہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے،

ع کرتے کو کڑے سے بچاتی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے، تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ ہے۔

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو اُسکو مرقع نگاری کہتے ہین جسکو آج کل کی زبان

مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی

نظیرین مشکل سے مل سکتی ہین، اُنکے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین۔

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کئے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف

باقی نہین رہی جو اُنکے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین، صرف نمایان باتون پر پڑتی ہین اور اس لئے جب

لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین، تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام

جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے، اور اُن کو ظاہر کرتا ہے یہ جزئیات جب ادا کئے جاتے ہین تو سامعین پر اسطرح

کا اثر پڑتا ہے گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر

ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ جزئیات، اکثر شعرا نظر انداز کر جاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین

پڑ نہین سکتین، اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا، لیکن میر انیس چونکہ فطرت اور معاشرت

انسانی، کے بہت بڑے رازدان ہین، اس لئے دقیق سے دقیق، اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُنکی نظر

سے بچ نہین سکتا اسکے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے، کہ کہین اُنکو دقت پیش نہین آتی،

مثلاً ایک موقع پر گھوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے

تو اکثر اُسکی دونو کنوتیان کھڑی ہو کر مل جاتی ہین، اسکو بعینہ اسطرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین۔

حضرت عباسؑ، جب نہر کے پاس پہنچے ہیں، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہیں، اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میرانیس کہتے ہیں ؎

دو دن سے بیزبان یہ جو تھا آب و دانہ بند	دریا کو ھنھنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سُٹتا تھا نہ بند	چمکارتے تھے حضرتِ عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے اس موقع پر کہتے ہیں، ع ظالم نے ڈگڈگا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون میں اسکا اظہار حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے۔

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہی، ع وہ ہات ہٹکے آپ نے رکھا یال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا، اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لئے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے اس حالت کا دکھانا ضرور تہا۔

یا مثلاً حضرت شہر بانوؑ جب اپنی بیٹی صغراؑ سے رخصت ہونے لگی ہیں، تو اصغرؑ کی طرف سے جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہیں اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہات اُسکی پیشانی پر رکھکر، کہتی ہیں کہ دیکھو یہ تمہیں سلام کرتے ہیں اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہی ؎

بانو نے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھکر	لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر

یا مثلاً جوانانِ اہلِ بیت کی سیر و خوش خرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اُڑتی تہین، ہاتھون مین ہات تھے	لڑکے کبھی، بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السلام صفِ نماز سے لڑائی کے لئے اُٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پر چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

یا مثلاً حضرت عباسؑ، جب گھوڑا اُڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین، تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے اُسوقت آنکھ چار ہو جاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اُنچا اُڑ جاتا تھا، اس حالت کو اسطرح ادا کیا ہے ؎

برچھیون اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانون سے	آنکھ لڑجاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہؑ جب قید خانہ مین دربانون سے اپنا حال کہنے گئی ہین وہان لکھا ہے، ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر	دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریبِ در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر	دربانون جاگتے ہو کہ سوتے ہو بےخبر

بیکس ہون، تشنہ لب ہون، فلک کی ستائی ہون
کچھ تم سے اپنا حال مین کہنے کو آئی ہون

دو حریفون کی معرکہ آرائی کو جہان مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہین، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتین لکھ دیتے ہین یہ مطلق پتہ نہین چلتا کہ دونون نے فنِ جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، لیکن میر انیس اکثر جگہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہین، اور یہ انکی قدرتِ زبان کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالین رزمیہ کے عنوان مین آینگی، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالین درج کرتے ہین،

۱ حضرت امام حسینؑ کا کربلا مین داخلہ، دشمنون کی روک ٹوک، رفقاے امام کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

اُترا یہ کہکے کشتیِ امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا | دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند | کیون یہ مقام ہے تمھین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند | بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شبیرؑ اب یہین رہین گے عنایت جو رب کی ہے
بس کیا کہون حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوے وہان سے بڑھے آپ چند گام | گویا زمین کی سیر کو اترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام | نکلین وہ نور کی وہ تجلی وہ احتشام

زلفین ہوا مین اڑتی تھین ہاتون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑون کو مسلمؑ کے دونون لال | پھولون سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے وان کے ابن حسنؑ خوش ہوے کمال | کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بیمثال

اے خسرو زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یان کی خاک مین عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہ امم | الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اچھلین درود پڑھتی ہوئی مچھلیان بہم | بولے حباب آنکھون پہ شاہا ترے قدم

پانی مین روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارے نہر جوانان ماہرو
دھویا کسی نے رخت کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنار جو
بھر لائے اشک آنکھون مین شبیر نیکخو ٭
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھکر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھکر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسِ نامور
خیمہ کہان بپا کرین یا شاہ بحر و بر
ایذا ہے محملون مین بہت اہلبیت پر
بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر
کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہین سبھون کے رکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا ٭
زینب جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینب یہ دی صدا
حاضر ہے جان نثار امامِ غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سنکے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل ہین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار
مختار کائنات کے تم نورِ عین ہو
اترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیان یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا

ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پہ ہمین لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان
یارب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہین بادشۂ خوشخصال کے
بھائی ہین نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سُنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو سخن ہین اُن سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنون مین کسی کا عمل نہو
بھیّا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضےٰ
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا
جو مہر فاطمہؑ مین ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قربِ نہر کا آبِ حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضور سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُتریں یہین یہ مرضی آلِ رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین
فرّاش آ کے جلد صفا کرین زمین
حاضر ہون آب پاش محل دیر کا نہین
یان ہو گا خیمۂ حرم بادشاہ دین

جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آؤ اشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہین سب غلام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرشِ احتشام
پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خسروش دوعالم کا تاجدار
کھلوا رہے تھے خیمون کو عباسِ ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت سیاہ و سرخ نظر آگئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشت ظلم سے کوسون صدا گئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آگئی
اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم مہر گروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباسِ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے انکا کیا؟
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کونسا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لختِ دلِ سید البشر
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہین مگر

آتی ہے اُڑکے گھوڑون کی ٹاپون سے گرد ادہر / کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہین اسپ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھکر کیا کلام / حکمِ امیر ہے یہین اُترے سپاہِ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام / دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام
لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کل جوان ادہر آئے ہین دس ہزار / رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار
خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار / شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار
لاکھون ہین کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلیگی جب پسرِ سعد آئے گا

فوجون کا جائزہ تہا وہان ہم چلے تھے جب / گردے مین بیس کوس کے لشکر پڑا تہا سب
دستون کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب / اس ارض پر نہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہین ادہر / ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر / تیوری چڑہا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصّے مین رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے چھٹینگے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم
پہیرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

ہم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
دیکھو فساد ہوگا بُرا ہوگے اگر ادھر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
شیرون کا یان عمل ہے تمہین کیا نہین خبر
سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نہ رکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
بلوہ جو ہوگیا سمٹ آئے سوار سب
باندھے ہے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اُس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر
عباس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصّے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

اُلٹی جناب قاسمؑ ذیشان نے آستین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبین
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرِ حسین
شیرون سے کیا ترائی کو لین گے یہ اہل کین
کیسے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھ بھال لین

تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دمبدم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانی ستم
کہتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلبیت شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی روکے زینبؑ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہِ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو دعائیں اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے مُنہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰؑ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکاریں پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا اُنھیں جلال
کہدے کوئی کہ اے اسد کبریاؑ کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال

قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام | عباسؑ اُدہر غضب میں بڑہے سوئے فوجِ شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام | بھیّا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

آؤ تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی | بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی | سب سے جدا ہی چاہیئے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم | بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم | چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور | کہہ دیجیے ان سے کاٹ کے لیجائیں میرا سر
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر | اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا | کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا

لو اب اُٹھاؤ تیغ و سپر تم پہ ہین فدا
دریا کو تم تو لے چکے اے میرے دلربا

وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی مین
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی مین

۴۔ حضرت عباسؑ جب میدان جنگ مین گئے ہین تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیون گنواتے ہین اُدہر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آجایئے تو منصب اور جاگیر اور کیا کیا کچھہ نہ ملے گا حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہوکر اسکی درخواست کو رد کیا۔ یہ سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دشمنون نے یہ خبر اُڑا دی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے۔ اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتین ہوئین ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ۵

وان شمر و علمدار مین ہوتی تہی یہ تقریر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر
یان خیمے کی ڈیوڑہی پہ کھڑے تہے شہ دلگیر
چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیر

اس فوج مین فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اکبرؑ سے یہ بولا پسر مخبر صادق
یہ بات نہین رتبۂ عباسؑ کے لائق
کاذب ہین جفاکار ہین مفسد ہین یہ فاسق
وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھہ سے بُرائی نہ کرے گا

ناموس نبی مین بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسِؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانون گی مین زنہار
کیا ماجرا ہے بی بی ہو مجھہ سے کرو اظہار

ہے دیر[51] سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہؑ[52] کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپس مین خوشی ہو کے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھون سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہ دین ہوئے تنہا

اس صدمے سے ننہا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس بہی بہول ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑہی کے گئی پاس
غرقِ عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پہر سوچ کے کہتی تہی کہ بیجا ہے یہ وسواس

قوت شہ والا کی اُنہین سے تو فقط ہے
عباسؑ پہرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

بہائی کو وہ پیارے ہین اُنہین بہائی ہے پیارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا
عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
قسمت ہی اولٹ جائے تو اسکا نہین چارا

لیکن فلک اسطرح سے گرتے نہین دیکھا
بہائی کو کبھی بہائی سے پہرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پہرتی تہی سراسیمہ و مضطر
اسکا بہی نہ تہا ہوش کہ کب گر گئی چادر

51 یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے، واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ اُن کے زبان سے نہین نکل سکتا کہ "کیا درحقیقت، عباسؑ دشمنون سے مل گئے" اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُنکو قید کر لیا یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بہی گئے تو قید ہو کر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جا کر مل جائین۔ منہ

52 اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے، اس جہوٹی خبر کا زبان پر لانا بہی نہ چاہا لیکن سکینہؑ بالکل بچی تہین اسلئے اُنہون نے جو سنا تہا بیان کر دیا

رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر ۔۔۔ دھڑکا تھا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور

یارب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ ۔۔۔ باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ ۔۔۔ بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تنہے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو رٹتے ہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس و ناچار ۔۔۔ کہتے ہین عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہو مری جانب سے بتکرار ۔۔۔ کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھین کیا ہے

۴۳- ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ۵

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان ۔۔۔ امڈا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران
موجون کی طرح سب تھین صفین پیش و پس روان ۔۔۔ لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی زرہ وہ روسیون کے پرے شامیونکے دل ۔۔۔ خوف خدا نہ جنکو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز و پر دغل ۔۔۔ شکلین مہیب دیو سے قد ابرؤون پہ بل

بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
آگے بڑھے چلو، یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
بولا کسی سے پھر وہ سوے نہر دیکھکر

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرؑا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امام دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
ہمنے اُٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر

عباسؑ مستعد تھے سبھون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پھردن علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کرکے بین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین

بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہِ اُمم
سُنتے تھے وان سپاہ حسینیؑ کی دہوم ہم

اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم
فاقون کے مارے دم مین کسی کے نہین ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشان
یہ حال ہے لُٹا ہوا جیسے ہو کاروان
اُردو مین جنس غم کے سوا جنس ہی گران
غلّہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحطِ آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کُل ستّرہ تو اونٹ ہین اور بیس گھوڑے ہین

سطح ہے سرد آگ کا اُسمین نہین ہے نام
بچے ہوا ئے گرم سے بیتاب ہین تمام
خاک آبدار خانے مین اُڑتی ہے صبح و شام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یان سیکڑون کمانین ہین فوجِ امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ تو جوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اُن مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
اِن سے تو تیغے بھی سنبھالے نہ جائین گے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہِ کربلا
مقتل مین کھینچکر اُنہین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اِس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا
کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
اُنکے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفےٰ کو تو اٹھارواں ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبیرؑ کا نونہال

نو دس برس کے ہوئینگے زینبؑ کے دونوں لال
ہاں اک جوان ہین حضرت عباسؑ خوش خصال

چھوٹے ہین اور سب کوئی اُن مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسیکی عیان نہین

سُنتا ہون مین ہین دو پسرِ شاہ نامدار
بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیرخوار

زینبؑ کے دو ہین تین حسنؑ کے ہین گلعذار
دس ہین عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار

زہراؑ کے جان و دل ہین محمدؐ کے پیارے ہین
یہ سترہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین
اب رہگئے پیادے سو دو کم پچاس ہین

آفت مین مبتلا ہین مگر با حواس ہین
غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین

کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان بانکے کے ہزار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار

ہین تین چار کوس کے گردے مین سب سوار
اک اک جوان ہے رستمِ میدانِ کارزار

کیا کوئی لڑسکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف
خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف

جانباز ہاتھ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف
اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف

سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہِ دین مین ہین

کھینچے ہوئے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرز گاؤسر
ہر جا بچھی ہوئی ہین کمندین ادھر اُدھر
ضربت سے جنکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالون کی نہر پر

سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
نوک اسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
آئے تو رن مین حضرت شبرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین مین نے بجھائی ہے

۴ - فوج آراستہ ہورہی ہے، اور علم لاکر رکھا گیا ہے - عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین، علم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین - اسوقت کی گفتگو، حضرت زینب کی آزردگی، اور فہمایش، اور دیگر واقعات

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
تائید خدا چاہیئے گو عمر مین ہین کم
کیون بھائی علم لینے کو ماموں سے کہین ہم؟
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
کہتا تھا بڑا اعرض کا موقع نہین زنہار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
ہین بادشہ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہون

چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ یہی نام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر
سب اُسنے مفصل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
فضہؑ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اُسے فرصت انہیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار
اسوقت میں ہو کون جو منصب کی طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے پر تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
بچو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
عہدہ ہے یہ جس کا تمھیں معلوم ہے نسب سے

اس امر مین خاطر نہ کرین اور کسی کی
مین خوش ہون بجالائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچا ہے تمھین منصب جعفرؑ
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھکر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑون گی گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
یون کہنے لگے جوڑ کے ہاتھون کو وہ دلدار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار
مالک ہین جسے چاہین علم دین شہ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
مان صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو
ہو عید مجھے گر عمرؔ و شمرؔ کو مارو
یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپھی اور امّان سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب۔ اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوئے اکبرِ حزین
چھاتی لگایا مان نے پھوپھی نے بلائین لین
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبین
نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہِ دین
روتے ہین غیر سید والا کے حال پر

امان مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہ دین کے پاس
اس پر بھی اضطراب نہین کچھ بجے حواس
گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجوم عام
مین یان ہون اب تو اور بڑھی ہوگی فوج شام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہان سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مرین گے بعد شہ آسمان جناب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزند بوتراب
ذرہ کہان غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیّر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون
راہ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
سب سے حقوق والد ماجد ادا کرون
مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون
وان اقتلوا[ف] الحسینؑ کا اعدا مین شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے مرے اب ہین دو سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال

ف یعنی قتل کرو تم سب حسینؑ کو ۱۲

رکھ لیجے آبرو سے پسر ذوالجلال | آسگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال

للہ ہاتھ اُٹھایئے اب نور عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول | جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول | نہ جائینگے نجف نہ سوئے روضۂ رسولؐ

جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہیں مُنہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر | کہہ دیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوے سارے نامور | کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر

بستی بسا کے رن میں شہ کربلا رہے
کنبے سے مُنھ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودہویں کا ماہ | بنت علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے مُنہ پہ پاس سے زینبؑ نے کی نگاہ | گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ

بنت علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر | بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھکو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر | زینبؑ پکارین چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر

اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر — گرتے وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یاد آتی ہین وہ ہنسلیان وہ کان کے گہر — یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نامِ خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین دے ربِ ذوالجلال — قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال — بچپن کی دائیون کا بھی رکھیے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارہ جگر — یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
لاشین بھی گھر مین آئین تو بیٹا نہ مین نے سر — مین کہتی تھی جیسے یہ مرا غیرت قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا — ہر چند سب نے چیخ کے کہا وا محمّدا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پہ وہ مہ لقا — کی عرض رو کے اے پھوپھی مان کردین کیا
ہین سب بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو ذرا بہرِ کردگار — اچھا نہ چاہیے مجھے میدانِ کارزار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار — مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب کا پاس ہے

رخصت گلا کٹانے کی لو مان تو پاس ہے

اکبر نے مان کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر — مان نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
تم سے پھوپھی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر — قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھکر

سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑکے بولا وہ لالہ فام — تقصیر عفو کیجیے اے خواہر امام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام — میری تو مان ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام

بندے پہ کی ہے مان نے یہ شفقت نہ آپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبر نے یہ کلام کئے جب بصد ادب — الفت کا جوش آگیا بنت علی کو تب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب — کڑھتے ہو کس لئے مین تمھین روکتی ہون کب

سچ ہے جہان مین تمسا کوئی باوفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون رواں — تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
لو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان — تم جاؤ گے صدقے گئی اور تمھاری مان

یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ مان کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین مان نے جو تم گھٹنیون چلے — تلوون سے اسکے دیدۂ حق بین ملا اٹھے
نازون سے منتون سے مرادون سے تم پلے — صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے

مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سو سوئی ہے

بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہ کی جا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ بحر و بر
لے لین بلائین بھائی کی زینب نے دوڑ کر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
بولی لپٹ کے بال سکینہ کہ اے پدر
سنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہین

بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
کیون سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہ ہدا
کہیے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا
راہین سب انکے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضامند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی
اماں نے بھی رضا ہمین دی اور پھوپھی نے بھی
زہرا کی وہ بہو ہین تو یہ دخترِ علی
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی
رویا جو مین تو مان نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

مان نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے

زینبؑ یہ بولین ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات مین ثبوت اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھون پہ بولے امامِ دین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہین
تم دو گی رخصت انکو مجھے یہ نہ تھا یقین
آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبین
بیجا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہین
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہین

۷- عون اور محمد زخمی ہوکر قریب المرگ ہین، حضرت علی اکبرؑ ان کی لاش اُٹھانے کیلیے جانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عون و محمد کی ماں) ان کو روکتی ہین، لاشین گھر مین آتی ہین۔ حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین، لیکن آخر ضبط نہین ہوسکتا، اور خود بین کرتی ہین ؎

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری
سر ننگے مین نکلون گی جو تم جاؤ گے واری
تبلاؤ تو مین اُنکی ہون عاشق کہ تمھاری
میدان کی طرف قاسمؑ بے پر بھی بجائین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی بجائین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
سر پر مرے دنیا مین سلامت رہین بھائی
کیا لُٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی ؏
کیون روؤن مین دنیا مین جو لبسند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلوارون کے مارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہین خاک پہ دو عرش کے تارے
پامال کو ان دونون کے اسوار بڑھین گے
بچون کے سر اب کٹ کے نشانون پہ چڑھین گے

یہ سُنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے کے بیبیان ڈیوڑھی کے جو تھین پاس
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنت شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

سہنے کا جو اک شور ہوا ر انادو نہین برپا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
بھائی ہین سلامت مجھے کیون دیتی ہو پرسا
سہنے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائین گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائینگے شبیرؑ

باتین یہ کہین سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
وان لاشون پہ روتے ہوئے پہونچے شہ ابرارؑ
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
مہمان کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر مین ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک مین آلودہ تھے گیسو
تلوارون سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے منہ نو سے وہ ابرو
مہتاب سی وہ چھاتیان اور تیر سے پہلو
چھلکا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے

ہونٹون پہ زبانین نکل آئین تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبرؐ
ہے ہے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آکر
بالین پہ حضور آئے ہین چونکو تو برادر

مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سنکر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار
دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار
دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو اماں انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے مین آئی
رانڈون نے ادھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی
فضہ پہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی

لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صف ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر
سیدانیون نے اٹھ کے ادھر کھول دیئے سر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدرؑ
زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لو لخت جگر آئے تمہارے
لو دودھ انھین بخشو پسر آئے تمہارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی امنڈ آئی
نزدیک تھا مر جائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اسنے دکھائی
سب سے یہ کہا ننگ لگی میری کمائی

سب بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بی بیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے تھے مین تمپر
بانو نے اشارا کیا اے سبط پیمبر
دم بھر انھین رو لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مر جائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ
فرزندون کو چلانے لگی زینبؑ ذیجاہ
صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دون گی
اچھا مین تمھین دونون سے مانجائے کو لونگی

لو نیمچے کاندھون پہ دھر لو مرے پیارو
گو پیاسے ہو دونون کے پہ ہمت کو نہ ہارو
تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اُٹھ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اسطرح تو جاگے ہوئے دولھا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ مان صورت بسمل
بچو تمھین کیا اُن کے کہین گے شہ عادل
سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل
کیا[1] غش مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

[1] یہ اشعار، جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین۔

مثال ۱۸ ۔ شیرین کو خبر ہوئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اسکے گھر تشریف لاتے ہین اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے ۔

یہ کہکے اُسنے فرش کیا گھر مین سبز
مومن کے دل کیطرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہ بحر و بر
تکیون کو صاف کرکے لگایا ادھر اُدھر

کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کیواسطے
یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین یہ امام زمن رہین
حجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دلہن رہین

کرسی کو لاکے جلد کسی جا بچھاتی تھی
تخفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین ہر شکر کبھی سر جھکاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی

چہرے پہ اِک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام
کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام
لبریز آبِ گرم سے کردو سبو تمام

پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤن گی
ہاتھون سے اپنے پانون سبھون کے دھلاؤنگی

ہمسائیون سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بارہا
اب کیجیو زیارتِ سلطان نامدار

ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سروِ باغِ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو
سروِ ریاضِ حضرتِ شبّرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حُسن ملک کا نہ حور کا +
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا +

خالق رکھے اُسے صدوسی سال برقرار
نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہے ماں نثار
سر پہ پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار
چہرے کے آگے نیّرِ تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذرے گا اٹھاروان جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانو سے خوشخصال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہر دم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہووےگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتوں مین دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکوسیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحروبر
اُترے کہاں کسی سے مفصّل سُنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشوا ہے خلق کی تو پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم — لونڈی کو سرفراز کرو یا شہِ امم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم — اب بے حضور چین نہین مجھکو ایکدم

کچھ آج ہے تپش سی دلِ بیقرار مین
آنکھین سپید ہوگئی ہین انتظار مین

قربان ہوگئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور — خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہم لوگ مشتِ خاک ہین حضرت خدا کے نور — ہوگا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور

کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر — آنے مین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر — گروا رکھی ہین مین نے قناتین ادھر اُدھر

محمل مین گھٹتی ہونگی زہراؑ کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لیئے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے اُردو، بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین **مثنوی** سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات **مثنوی** کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہوسکتے، شعراے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات، قصاید مین ادا کرلیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین، کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵۰ شعرون کی بھی نہین مل سکتی،

فارسی مین، شاہ نامہ، اور سکندر نامہ کو الگ کر لیا جاے، تو کچھ باقی نہین رہتا لیکن ایک شاہ نامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین، عربی سے بڑھا رہا۔ اور اسکو خود اہل زبان عرب نے تسلیم کیا چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السایر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور مایہ داری کے، شاہ نامہ کی نظیر نہین پیش کرسکتی،

اُردو مین لے دیکر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلی کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین اسکا نمونہ یہ ہے

شانون سے گذر کے رُمح چالاک	تھے ہوش رُبائے مار ضحاک

مرثیہ مین، میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہنچایا اسکے لحاظ سے اُردو شاعری گو فارسی کے برابری کا دعویٰ نہین کرسکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین،

رزمیۂ شاعری کا کمال، امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہلچل، شور وغل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارونکی چمک دمک نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جاے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جاے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے دائون پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے، اسکے ساتھ، اسلحۂ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جاے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جاے اور اسطرح کیا جاے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اُداسی اور غم کا عالم چھا جاے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکۂ جنگ کا سمان اسطرح کھینچتا ہے

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ	زمین شد ز نعلِ ستوران ستوہ گھوڑے عاجز

برآمد ز هر سو ز لشکر خروش — همی پیل را زان بدرّید گوش
ز بس نیزه و گرز و گوپال و تیغ — تو گفتی همه ژاله بارد ز میغ ✤
بلند آسمان چون زمین شد ز خاک — ز هر سو همی بر شده چاک چاک (بادل)
درخشیدن تیغ هاے بنفش — ازان سایهٔ کاویانی درفش (علم)
ق
تو گفتی که اندر شب تیره چهر — ستاره همی برفشاند سپهر
سیه شد ز گرد سپه آفتاب — ز پیکان پولاد و پر عقاب
دل کوه گفتی بدرّد همی — زمین با سواران بپرّد همی
تو گفتی که ابرے برآمد سیاه — بباریده خون اندران رزمگاه
ز گرد سیه روشنائی نماند — ز خورشید شب را جدائی نماند
ز جوشش سواران و زخم تبر — دگر کوه خارا برآورد سر
زمین شد ز نعل ستوران ستوه — همان کوه دریا شد و دشت کوه
ز بس نعره و نالهٔ کرناے — همی آسمان اندر آمد ز جاے
سنان هاے رخشان و تیغ سران — درفش از بر و زیر گرز گران
بجوشید دشت و بجنبید کوه — ز بانگ سواران هر دو گروه
ز آهن زمین بود و از گرز میغ — ستاره سنان بود و خورشید تیغ
زمین لاله گون شد هوا نیلگون — برآمد همی موج دریاے خون

اسکے مقابلہ مین میر انیس کا رزمیہ دیکھو ــ ۵

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک — اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شیپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک — قرنا پھُنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شور دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑوں سے گونجتا تھا وہ سب وادیِ نبرد
گردون مین مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخِ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد
گرمیِ ہجومِ فوج سے دہ چند ہوگئی
خاک اسقدر اُڑی کہ ہوا بند ہوگئی

کانپے طبق زمین کے، ہلا چرخِ لاجورد
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد
تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در
جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر
اندھیر ہے، اُٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
سہمے تھے کوہ، کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد، دھوپ بھی زرد، اور زمین بھی زرد
خورشید چھپ گیا، یہ اُٹھی کربلا مین گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر مین
ٹاپو پڑے ہوے تھے محیطِ سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیون کی صورتِ مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخیِ اجل
وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دہوم طبل جنگ کی، وہ برق کا خروش
کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیون کے گوش
تھرّائی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالین تھین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار
نیزہ پہ نیزہ، تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار
پیکان ہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکر کین مارتا ہے جوش
نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
ہل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش
چلّے کھچے ہوئے ہین کمانون کے تا بگوش
ہر صف مین برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تلے ہوئے ہین، سنانین چمکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین
سنگین دلون نے ہاتون مین تبر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے

ولہ

چیتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی — مُنہ سُرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

ولہ

نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے — غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

ولہ

پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی — پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہل چل

نکلی جو رن مین تیغ حسینی غلاف سے — اُڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے
بجلی تڑپ ہی چمک کے جو دشت مصاف سے — صاف آئی الامان کی صدا کوہ قاف سے

طبقے فلک کے صورت گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین — سُکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین
مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین — غل تھا کہ گھر گئے غضب ذو الجلال مین

شہ کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین تھی علم جو وہ تیغ شرر فشان — تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اثر درون سے جھٹ گئے شیرون سے نیستان — برپا تھا بر و بحر مین اک شور الامان

مانند موج جھیلون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور — مُردے دہل کے چونک پڑے سب میان گور

چلّائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
ہے بازوئے حسینؑ مین دستِ خدا کا زور

اُلٹے ہین مثل شیر خدا آستین کو
اے کردگار عرش بچا لے زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکّر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین منہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا، کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت مین غل کہ یہ ہے روز انقلاب
اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابن بوترابؑ
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتحیاب
بس اب بنائے عالم امکان ہوئی خراب

حملہ غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہین
غل تھا کہ مل نہ جائے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تھے ملک کہین
سایہ کہین تھا، تیغ کہین تھی چمک کہین

پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھین تین بجلیان اک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا، اور جنون سے گھر
شیرون سے دشت، گرگ سے بن، اژدرون سے در
شاہین و کبک چھپ گئے، اک جا ملا کے سر
اُڑ کر گرے جزیرون مین جنگل کے جانور

سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دئے پر کانپ کے

فوجوں کی ابتری اور ہلچل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلب فوج میں ہلچل اِدھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں، گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں، خود سر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا - دل جگر کے ساتھ
ہلچل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ
اِس معرکہ میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
جو بچ گئے اِدھر سے اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جوان سموں کے تلے آ کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہلچل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الاماں کا شور پریشان تھے اہلِ شر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ماتھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس، ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانیں تیروں سے چلے کمان سے دور
مرغانِ تیر سہمے ہوئے آشیان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوئے نیزے سنان سے دور
پیروں سے عقل دور، تہور جوان سے دور

تیغون کی کچھہ خبر تھی نہ ڈہالون کا ہوش تھا ؛
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان
گوشون سے تھی بلند صدا سے امان امان
گردن سے سر رگون سے لہو اور تنون سے جان

یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین
نیزے کہین تھے، ڈانڈ کہین تھی، سنان کہین
چلّے کہین تھے، شست کہین تھی، کمان کہین
جمدھر کہین، کمند کہین، برچھیان کہین

اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اسکی چمک دمک
شعلے مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک
کانپی کبھی زمین، کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک

کونین مین حواس بجا تھے نہ ایک کے ؛
گاؤ زمین سنبھلتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے ؛

ڈر ڈر کے پیچھے پاؤن سپاہ لعین ہٹی
ہٹے جبال، نہر کہین سے کہین ہٹی
یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمین ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا۔ زمین ہٹی

بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑھ گیا ؛

نعرہ جدا، صدائے بگیر و بدہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے، گوشون سے زہ جدا

بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیزون کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا

اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس

نیزے نہ تھے سنان پہ نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پہ تھا، نہ چلہ کمان پر

معرکہ آرائی، اور فنون جنگ کا اظہار قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے، دونون طرف سے پہلے، ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اسطرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، بخلاف اسکے میر انیس اسکو اسطرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا یعنی اپنی شجاعت، اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جابجا رجز لکھا ہے لیکن چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار، ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اسلئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے مثلاً ؎

مین ہون سرورِ شباب چمن خلد برین
مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین

مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمین

ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کرکے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیرؑ و حمزہ سید الشہدا رکے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار

یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
کسکا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کسکا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے، بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے نشہ لافتیٰ کا زور
ہے انگلیون کے بند مین خیبر کشا کا زور

اس دست مرتعش مین ہے دستِ خدا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور

اُلٹون فلک کو یون، جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے
بیکار کر دون شیر کا پنجہ مروڑ کے

بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
ٹھکون زمین پر در خیبر کو توڑ کے

اُلٹون طبق زمین کے یون جھٹکے زین سے

جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہوا اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
بے جبرئیل کار قضا و قدر کرون

آ بے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
اُنگلی کے اک اشارے مین شق القمر کرون

طاقت اگر دکھاون رسالت مآب کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر بہ گرکے ٹھہرتی ہے زین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر

جب ہاتھ اُٹھاے برق گری ہر زمین پر
کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تن پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباس نامور
لو ہٹ کے ہات آپنے رکھا ایال پر

لو دامن قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر

برچھا لیا سمند مین زانو کو داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ — **فردوسی** کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لڑائی کے تمام جزئیات داؤن پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اسنے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے۔ اس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

خدنگے برآورد پیکان چو آب
بمالید چاچی کمان را بدست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست

نہادہ بر و چار پر عقاب
بہ چرم گوزن اندر آمد شکست
خروش از خم چرخ چاچی بخاست

چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس
سپہر آن زمان دست او داد بوس

چو پیکان ببوسید انگشت اوے
گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

ان اشعار مین تیر اندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُرزور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس، لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی، ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی ہلان
چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں

اک بند باندہ کے جو فرس سے کہا کہ ہان
ڈانڈا آ کی ڈانڈ پر تو ستان سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر

دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بہ صد غضب

چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب

تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب مین وہ شقی ہی بلا سے بد

حسب ڑہ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد
کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو +
جسطرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بدخصال
جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کالال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اسکی سپر سے ڈھال

او جھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا ابھی اسطرف کو، اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا ++

ایک اور موقع، ۵

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کے ہر نکان +
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان
دو اژدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زبان

پھلے شرر، پرندون کی جانین ہوا ہوئین
شمعون کی تھین لون کہ ملین اور جدا ہوئین

اٹکا نہ ایک وار، نہ اس سے ہزار بند
بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیسا! نیزہ بازی مین تھا بار بار بند
جوشن سے نیلگون تھے جفا جو کے چار بند

خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ +
کھلتی بھی ہے، بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان
گھوڑا اُڑا کے ہات کو اکبر نے دی تکان
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ تا کمان
نیزہ کے ساتھ شور اُٹھا اس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کھینچی تیغ
بدلا تھا اس نے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس، کبھی برق کی مثال
شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بتا کے کاٹ گئی، وہ زرہ کا جال
چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
روکے کسے؟ جواب کسے دے؟ کدھر پھرے؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کمان تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ، ڈھال وہ لایا قریبِ سر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی، سر و گردن سے صدر پر
سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ با خبر
سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ایک اور موقع سے

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاودسر
اکبر نے دوش پاک سے لی ہاتھ میں سپر
آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
دو ہو گیا عمود مثال غبارِ تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمن ایمان نے ملکے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھلکے ہاتھ
پہلے ہی بک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
نیزہ ستانہ تھا جو پانون تُڑکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور مین گروہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
تھرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جاے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالا سے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹکر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر
تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر
قربان زور ضربت نصرت نشان کے
کھلکر قضا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان
نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہان
سپر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی اُدھر سنان
بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی تکان
سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر

ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع ؎

پیہم ہوئیں کمان پہ تکائیں جو یکد گر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر

ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر
فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہان گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ مین رکھ کے تیر بڑے قبلۂ اُمم
کچھ کہہ کے گوش شہ مین چلا تیر تیز دم

اک ہات راست کر کے کیا دوسرے کو خم
آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہ زمن سے نکل گیا
وان تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا | فردوسی کے ہان گھوڑے کی تعریف مین جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہین، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا سب سے پہلے عبد الواسع جبلی نے ایک قصیدہ کی تشبیب، گھوڑے کی مدح سے کی ؎

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بسوی پستی چو آب
خاک و صفی در درنگ و باد رنگے در شتاب

گر گہی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان
گر بری حملہ، نباشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

از جبل پنہان شوی در سایۂ پر پشہ
وز ہنر جولان کنی، در گوشۂ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے، یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو ؎

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان ۔۔۔ قربتے داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا ہے

اے طعن فلک نوشتہ بر سُم ۔۔۔ وے زلف صبا بریدہ از دُم

بر غنچہ سبک روی بدانسان ۔۔۔ کش خندہ نزاید از تبسُّم

تازی بہ لب فسانہ پرواز ۔۔۔ زان گونہ کہ نشکنی تکلُّم ٭٭

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی ۔۔۔ از ازل سوے ابد و زا بد آید بہ ازل

قطرہا کش دم رفتن چکد از پیشانی ۔۔۔ شبنم آسائش نشنیدگہ رجعت بہ کفل

گر سر خصم تو بندند بہ پایش دم نزع ۔۔۔ تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت ۔۔۔ چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اسطرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے ۔۔

اُردو مین مرزا سودا نے کہا ہے

روبرو سے اگر آینہ کے اس گلگون کو ۔۔۔ پھینکدے لیکے کبھی مشرق سی تو غربی تلک

اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر ۔۔۔ عکس بھی آینہ سے ہونے نہ پائے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا ٭٭

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین، جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خد و خال، ڈیل ڈول

چہرہ مہرہ، چپل پھرتا، اُوجاڑ، کا نقشہ دکھاتا،

میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین چنانچہ فرماتے ہین

ع آنکھوں مین یون پھیرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے
کیونکر اُڑے، پری ہے کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم اِن کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو،

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون
گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہو وے سرنگون

رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون
غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوئے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج و خوش قد و طناز و سربلند
وہ پیش و پس، وہ سم وہ کنوتی، وہ جوڑ بند

ولہ
کوتاہ و گرد و صاف، کنوتی، کمر، کفل
کیا خوشنما کشادگی سینہ و بغل

ولہ
وہ تھوتھنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان، وہ بال
گویا کھُلے تھے حور کے گیسو، پری کے بال

ولہ
وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال
دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند
سانچے مین تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند

سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک، مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا براق سے تو پری ہو کے اُڑ گیا

جرأت مین رشک شیر، تو ہیکل مین پیل تن
پوئی کے وقت کبک دری، جست مین ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی
غصہ مین جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا۔ جوبن یراق کا
دُلدُل کے ہات پاؤن تو چہرہ براق کا

غصے مین انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھیے
جوبن مین جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھیے

وہ تھوتھنی کہ غنچہ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جسکو دیکھہ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کے غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ مین آیا وہ پیل تن
آنکھین اُبل پڑین صفت آہوے ختن
ماری زمین پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی ہو چڑھا ہے رن

میخین زمین کی اسکی تگاپو سے ہل گئین
دونون کنوتیان بھی کھڑی ہو کے مل گئین

گھوڑے کی تیز روی اور چل پھر

سمٹا جما اُڑا ادھر آیا اُدھر گیا — چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیرون سے اُڑ کے برچھیون مین بے خطر گیا — برہم کیا صفون کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑون کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفون مین فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائین لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے — غُل تھا یہ غول مین پسرِ سعدِ شوم کے
رخش ایسا روم و رے مین نہین، شام مین نہین
یہ شوخیان تو ابلقِ ایام مین نہین

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال — کبک دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سُبک روی مین قدم کے تلے نہال — اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبدِ دوار بن گیا — نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا
حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ، اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے، اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پہنچ جاتے ہین، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھیے تو (تلوار کے متعلق

کچھ نہین کہتے، چنانچہ فرماتے ہین -

مرزا دبیر

مدِ نگہ چشم نیام اوج پر آیا		اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	ولہ	یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیے پھری	ولہ	یونس کو جیسے بطن مین ماہی لیے پھری
مثل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی	ولہ	بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو	ولہ	کیسی زبان، زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو
کاف شگاف بن کے درون جگر گئی	ولہ	مانند میم مرگ، میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	ولہ	مانند پیش ہر جز و کل سے گذر گئی
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی	ولہ	جل بھن کے آب تیغون کی زمین دہلون ہوگئی
گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام	ولہ	بنا خزانۂ قارون خرابہ حمام ہوا رطوبت اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

خود انصاف کرو، یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے -

میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ نکل جاتے ہین، تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے، سب سے پہلے، دیکھو تلوار کا سراپا کسطرح کھینچتے ہین

پشت وہ اس کا اور وہ باریکی خمیر		کس بل مین بے مثال، اصالت مین بے نظیر
دلسوز شعلہ خواستہ رانداز دجانگداز	ولہ	لشکر کش و شکستہ رسان و ظفر نواز

خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز ۔ حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

تیغ اس کی ہے پسند جہان گو سجی نہ ہو
معشوق بھی نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ ۵

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی ۔ تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ، دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی ۔ رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی ٭

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی، گری، اُٹھی، ادھر آئی، اُدھر گئی ۔ خالی گئے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم، کبھی بالا سے سر گئی ۔ ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے، جو قہر صمد نہین
ایسا تو روز و شب مین بھی جزر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری ۔ کٹ کر کسی کی تیغ، کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری ۔ سر کاٹ کر ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زرہین تنون مین مثل کفن چاک ہو گئین ٭
اک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر ۔ بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر
ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکی نہین ہے لہر ۔ اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین ٭
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندان مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین فرد ہین
چمکی احد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس شوخ تند مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی سر سے تمد رین

کھنچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اُڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
یہ سر اُڑا، وہ خود اُڑا، یہ زرہ گری

آتی ہے لشکرون پہ تباہی اس طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والون کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالون کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالون کے ہر طرف

خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے

کیا جانئے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ مین اُڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی، گری، زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی

چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر — پہنچوں سے ہات، شانوں سے بازو، تنوں سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر — برچھی سے پھل، کمان سے زہ، زین سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشان زری کہیں
پیکان کہیں تھی، شست کہیں تھی، سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر — اُڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں، گرتے تھے خاک پر — قبضوں سے تیغیں، جسم سے روحیں، تنوں سے سر
پے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی، سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک — بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک — چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع میں
سجدے میں تھی زمین تو فلک تھا رکوع میں

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آ کے اوج سے — پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے — رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے حسن دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اسکے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب — آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
سیتی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب — تیزی زبان میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب

جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے مین حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزان بھی بہار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگا دی زمانے مین
اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزون کے بند بند قلم برچھیان دونیم
مثلِ قلم زبان دراز سنانِ دونیم
چارآئنہ کٹے ہوئے گرز گران دونیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دونیم

سالم تھا پیشِ آئنۂ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صفِ کفار ہٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالون کی بدلی سمٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو اُلٹ کر پلٹ گئی
رن کی زمین لہو کے ڈریڑون سے کٹ گئی

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہے، کربلا کا واقعہ نتائج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعۃً ٹوٹ پڑا، اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا، ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے،

دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا، بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جس قدر اسکے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے، فرض کرو کہ **شاہ نامہ** کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائین تو اس سے **فردوسی** کی کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا۔

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام، تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر، سب ان کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا گویا عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر ان کی حملہ آوری سے زمین و آسمان دہل جائین، اور دنیا متزلزل ہو جاے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہئین جن سے طبیعت پر واقعی، اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا **مرزا دبیر صاحب** کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ، استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور **میر انیس** اکثر، تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلاے ظفر راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جدا	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا،
سچ اس کی ہے پسند جہان کو سبھی نہ ہو	معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ **ثعلبی** نے یتیمۃ الدھر مین جہان **متنبی** کے محاسن گناے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

ومنها استعمال الفاظ الغزل والنسيب في اوصاف الحرب وهو ايضا مما لم يسبق اليه وتفرد به واظهر فيه الحذق	متنبی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین سے ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی اور جنمین وہ منفرد ہے،

اس کے بعد متنبی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین جن مین سے ایک یہ ہے ؎

قد صبغت خدها الدماء کما یصبغ خد الخریدۃ الخجل	زمین کے چہرہ کو خون نے اسطرح رنگین کردیا ہے جسطرح شرم کی حالت مین معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جایز ہے جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے، اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہوگیا ؎

تلوار کی تعریف	جب خون مین بھری، فوج کے انبوہ سے نکلی	غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی،

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قایم ہوئی، اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا اس بنا پر انہون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ اور بندش سادہ اور صاف، مضمون دردانگیز اور پرتاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو ؎

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا ۔۔۔ اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا
شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن ۔۔۔ سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا
سر شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجّادؑ ۔۔۔ رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا
ق
طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی ۔۔۔ کام اتنے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا
رو رو کہتی تھی صغراؑ کہ کہے جا قاصد ۔۔۔ تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا
دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے ۔۔۔ ساتھ لائے ہین جوان سید والا کیا کیا
خط لئے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام ۔۔۔ دیکھو بیٹا! تمھین صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس ۔۔۔ مجرای کیا زبان کے سوا ہی؟ دہن کے پاس
سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید ۔۔۔ روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس
چلائی بانوؑ دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین ۔۔۔ مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس
صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانون ۔۔۔ جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی! آنکھ سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے ۔۔۔ غمِ سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے
دمِ تحریر گلا رندھی سہے یا سطرین ہین کاغذ پر ۔۔۔ صریر کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے
پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت ۔۔۔ وگرنہ رہبر عالم کہین رستہ بہکتا ہے
حرم روئے کہا جب آسمان کو دیکھ کر شہؑ نے ۔۔۔ علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے
زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین ۔۔۔ شہیدون کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے
تن رنجور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی ۔۔۔ تپ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

کہا بانوؑ نے شہ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر
مرا مُنہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے
یہ ننھے ننھے دونون ہاتھہ بل کھاتے ہین سینہ پر
ق
مسوڑے ہوگئے ہین نیلگون تالو لپکتا ہے

ایضاً

مجرئی! جب کہ عیان ماہ عزا ہوتا ہے
یہ چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے +
پھیر دین آنکھین جو اصغرؑ نے پکاری بانو
دوڑو اے بی بیو! دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
ویر بیٹون کو لگی رن مین تو زینبؑ نے کہا
لاشین آتی ہین اگر فضل خدا ہوتا ہے
کہتی تھی خلق خدا دیکھہ کے عابدؑ کو اسیر
کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو
ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو
یہ جُھریان نہین ہاتون پہ ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو
لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل
اُٹھا چکے ہین، زمیندار جن زمینون کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھہ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین،

سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین۔ میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی، یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔ ؎

اب خواب سے چونک، وقت بیداری ہے عمر کے پہنچے ہین، مسافر وان تک	رباعی	بے زاد سفر ہا کوچ کی طیاری ہے یہ قبر کی منزل بھی عجیب بھاری ہے
ہموار ہے گر تو تجکو کچھ باک نہین پاتا نہین تند خو، کدورت کے سوا	ایضاً	سرکش ہے اگر، تو عقل و ادراک نہین دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین
راہی طرف عالم بالا ہون مین ٭ یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے	ایضاً	دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین گویا اک [illegible] کی مالا ہون مین
عمر کے مسافر نے لبھایا ہے تجھے کیونکر نہ لپیٹ کے تجھ سے سوؤن تہ قبر	ایضاً	رنج سے پھر اسکے منہ دکھایا ہے تجھے مین نے بھی تو جان دیکے پایا ہے تجھے
کٹ جاتے ہین خود رنگ بدلنے والے اللہ رے سخن کی تیری تاثیر انیس	ایضاً	کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے رو دیتے ہین مثل شمع، جلنے والے
ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا	ایضاً	ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے
نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون چھپتی نہین بوے دوستان یکرنگ	ایضاً	دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہون کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

رباعی

رتبہ جسے دنیا مین خدا دیتا ہے
وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

دیگر

کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے
جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین
دندان صف بستہ ہین زبان کے آگے

دیگر

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے
دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
ایک آنکھ مین کسطرح سمائین دونون
غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

دیگر

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو مین نہین
مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین
ہر چند کہ ہون خسرو اقلیمِ سخن
پر غیر دوات، کچھ قلمرو مین نہین

دیگر

جس جا ذکرِ حسینؑ ہو جاتا ہے
رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے
آکر بزمِ عزائے شہ مین رونا
ہر شخص پہ فرضِ عین ہو جاتا ہے

دیگر

جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے
ہر کام مین، کامیاب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبرِ حیدرؑ پہ چراغ
وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے، شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ انکا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔

ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعویِ آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رخ اسکو دکھائے جائین، لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز

نے ان کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے۔ اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ، ان اکابر کی تقلید کرتے ہین ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی اس لئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہر حال ہماری راے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ ان کی ہر قسم کی فرو گذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبد الغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اسکا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱۔ میر صاحب نے جا بجا۔ سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ	اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدما کا طریقہ تھا اور میر انیس کا ابتدائی کلام، قدما کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اسکو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لئے یہ سختیان اٹھا دینی چاہئین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح اسرے سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ، اعلان نہین کرتے۔ مثلاً ؎

عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہان	تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے

۳- جہان نون کا اعلان جایز نہین، وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدر ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے باباجان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاق ہے- لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین، اس لیئے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیئے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے؎

۴	گویا کہ تھا شبیہ الم سبز نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پر نور او نشان

اس شعر مین سبز کا قافیہ اور ہے اور یہ بالکل غلط ہے- اسکا جواب یہ دیا ہے کہ مصرع ثانی اصل مین یون ہے- "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور زر نشان"-

۵- اکثر جگہ شائگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے، ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقتِ جسمِ شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کر کے کہا بادشہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجاے شہ ذی شان تھا- غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا، لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اسکو وسعت دی جاے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یون نہین، یون تھا- اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ، اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لیئے قافیہ مکرر نہین، لیکن

جہان واقعی قافیہ شایگان ہے وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین، جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جنکو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے ۔

۶ - اکثر جگہ حروف تقطیع مین گر جاتے ہین ۔ مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر،

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر،

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار،

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے

ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسیطرح اور مصرعون کو بدلا ہے ۔

حرفون کا تقطیع مین گرنا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اس کی مثالین پائی جاتی ہین ۔

عزت شیرازی	مرا پند خرد مندان بحال خود نمے آرد		باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد	
عاقل		تاتوانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش		
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ بیرحمی چیست		خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد	
غنی	تن گل عارض گل بدن گل چہرہ گل رخسار گل،			
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را		کہ سازم علاج عقل فرتوت را	

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا ۔

۷ - ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ ۔

ہو مغفرت خلیق کی یارب ذوالکرام ۔

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین

طبل کے بجاے دُہل، اور ذوالکرام کے بجاے یا خالق الانام ہے۔

۸- تھا زیر زرہ گاو سر اسلح کا بکترا

اعتراض بکتر گاو سر نہین ہوتا۔

جواب- اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیر زرہ اسلح کا بکتر۔

۹- اُترا یہ سخن کہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے۔

جواب- اصل مین عالی کے بجاے والی ہے۔

۱۰- رنگ رخ کفار عرب ہوگیا فق سے — رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اسکا جواب یہ دیا ہے کہ میرانیس جو کچھہ کہہ دین وہی محاورہ ہے۔

۱۱- شرمندہ زمانہ سے گئے وایل و سحبان، — وایل کوئی فصیح نہین گذرا۔

جواب- اصل یون ہے- وعیل و سحبان-

ان اعتراضات کے علاوہ، نسّاخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کیے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے قلم انداز کیے گئے، نسّاخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی دیے، اُن کی تفصیل ذیل مین ہے-

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیے۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے۔
جو حرف قُران کا ہے وہ ہے لائق تعظیم	قرآن بر وزن فُعلان ہے۔
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا	بے آس کا عطف بیکس پر جایز نہین،
گرتے تھے طیوران ہوا کو لے ہوے پر	طیور- خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع نہ صحیح ہے نہ مستعمل
جو خوبیان کہ چاہین وہ سب حصول ہین	حصول کے بجاے حاصل چاہیے۔
کمتی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کمتی انفار اور اراذل کی زبان ہے۔

واللہ اُس سے زور عیان لاتعد ہوا	قتل اسکے ہات سے عمر عبد ود ہوا

عبدود، لاتعد کا قافیہ نہین ہوسکتا۔

کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے	فرار پہ تشدید را چاہیئے۔
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد،	تغیری۔ صحیح نہین۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات	واجبات سے ایا واجب چاہیئے۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین	خوش چاہیئے۔

اِس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا حقیقت یہ ہے کہ **میر انیس** کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پُرگو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے **فردوسی** سے بڑھ کر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین، ان دونون کے کلام مین اس قسم کی بے اعتدالیان نہایت کثرت سے موجود ہین۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے ہین جنکی شاعری کا دایرہ۔ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ اس لیئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا اسکے لیئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے، اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے مثلاً ؎

سر پر کہین ہوے ہین سنگی سے دنی کہین	بوڑہی کہین بھی ڈانڈ کہین تھی ہوا نی کہین
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے	پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے

بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی
لہجاتین وو زبانین جو اس کو تو ایک تھی

خواہان تھی زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

باسے تھے دو ملے ہوئے گھوڑون کی گشت سے
خاک آسمان پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے

بدھات مین شکست ظفر نیک ہات مین
ہات اُڑ کے جا پڑا کبھی ہات ایک ہات مین

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام، اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سناٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش

ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش
کیا بجاتے کہ بجاتے تھے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رُعب فرزند نبیؐ سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا، "بجانا"، "سرود"، "ناساز" کی ضلع جگت نے اسکو بالکل زائل کر دیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری
بلبل کی زبان پر ہے تری شکر گذاری

ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہمکو بھی مل جاے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت، کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل، خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،

ع سایہ کنوئین مین اُترا تھا پانی کی چاہ سے،

ع اب ہات دستیاب نہ تھے مُنہ چھپانے کو۔

ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے۔

ابن سعد حُر سے کہتا ہے

کونسا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

شجر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر
سر چڑہے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے بھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خال پسے لگ جائیگا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال
تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئیگا کمال

سب مین ہو جائیگا انگشت نما مثل ہلال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا
مُنہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ تیرا کٹ جائیگا

پانون یہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو ہات لگائے
تو سر و ست سرفرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین۔

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہات سے جاتا رہتا ہے مثلاً صغرٰی کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام، سفر مین ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین، کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے سے مین اچھی ہو جاؤن گی، اس موقع پر لکھتے ہین

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت مرے تن مین؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا جو لکھنؤ کی خمیر بن گیا

تھا، باقی عیوب، لازمۂ انسانی ہین، اور کسی بشر کا کلام ان سے پاک نہین ہوسکتا،

سرقات

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ میر انیس (اور مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار پر سرقہ کا گمان ہوسکتا ہے کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بہ خفیف تغیر قدیم اساتذہ کے ہان پائے جاتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہین ہوسکتا اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لیکر، اسطرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہوجاتا ہے، فردوسی نے خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکے خیمۂ داشت افراسیاب	ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہین، انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکے خیمۂ داشت چون آفتاب	ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کردیا، کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین،

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئینہ باید بہ شہر دیگر رفت	کہ دل نماند درین شہر تا رُبائی بازہ

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارہ کار یہ بتایا ؎

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی ٭	مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل	شاہد آن است کہ این دارد و آنے دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کرکے بلند کر دیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد	بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا، وہ اچھی طرح ادا نہ ہو سکا تھا کیونکہ آن مین نون بہ اعلان ہے اسلیئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ایہام نہین ہوتا۔ خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن ٭	یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا، اسکو پورا کر دیا، اگر اسکا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اسی پہلی حالت پر قایم رہنی چاہیئے تھین چھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پہ جناب رسالت پناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرت صلعم کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کسکی ہے سر پہ یہ دستار	دیکھو تو قبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار
یہ کسکی زرہ، کسکی سپر، کسکی ہے تلوار	مین جس پہ سوار آیا ہون کسکا ہے یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کسکی ردا ہے
کیا فاطمہ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا، اس لئے میر انیس صاحب اسکو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار	یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کس کا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار	کس کا رہوار ہے یہ آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کسکی ہے

میر ضمیر	جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر	ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میر انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر	کاٹے ہین کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر
میر ضمیر	اس نیزہ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان	تھا اژدہا ہے موسی عمران کی زبان
میر انیس	ع گویا زبان نکالے ہوئے اژدہا چلا۔	
میر ضمیر	اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے	رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار و گیر	سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر	کونین مین پکار ہوئی الامان کی	انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس	ع چلاتی تھین پری یہ کہ خدا جن بچائے۔	

لیکن بہت سے اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہوئی کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے، اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد، ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین ہے

میر انیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس		اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لا احد			کوتاہیے کہ بود ز عمر دراز بود
میر انیس	عقدے سب حل ہوے مگر آہ انیس		یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلات عالم را حل		ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میر انیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری		بالون پہ سفیدی ہے، سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا		موے سفید ہین، و درون دل سیاہ ما
میر انیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار		ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار		سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میر انیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لئے		شمع کشتہ ہون، فنا مین ہے بقا میرے لئے
لا احد	چو نفی نفی اثبات است از مردن نمی ترسم		بقاے من چو شمع کشتہ باشد در فناے من

میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میر انیس کا مقابل بنایا، اور اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جاے،

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جاے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاے،

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولون کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دہوپ کی سختی، گرمی کی تپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلآویزی، یا

رنج وغم، غیظ وغضب، جوش ومحبت، افسوس وحسرت، عیش وطرب، استعجاب وحیرت، ان چیزون کا اسطرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھا جائے اسی کا نام شاعری ہے۔

اسکے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی و لاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات، اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے۔ فصاحت، ان کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، **بلاغت** نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت، کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہی لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہین سکتے،

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین وہ نہایت پر گو تھے ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے، اخیر اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے اس بنا پر ان کے کلام مین جا بجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے، میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتہً کس کا کلام، شاعری کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ میر انیس کا عیب وہنر تم دیکھ چکے، اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز بہ تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت ۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت، اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین،۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین شلاً

ع مستدعیِ شق القمر اکمہ ہوئے گمراہ۔

ع ھر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور۔

ع الذشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین -

لبیک وسعدیک تھا ورد ملک وحور -

المنتہی یہ ربط یہ ضبط اس وغا مین تھے -

خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین -

یارو استاد ایج نوشاہ کا بیان

رُخ بیّنۂ صدقِ کراماتِ پیمبر

مستجمع جمیعِ فضایل، ملک سیر

مستغرقِ روح اُسنے کیا تب غسل و شیر

لیکر رُطب و لِود و دم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصادار و چوبدار

عرشی فلکی بڑہ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ، اگرچہ صحیح ہین، عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اُردو نظم کی سلاست اور روانی انکی متحمل نہین ہوسکتی، -

(۲) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بھدا پن پیدا ہوجاتا ہے، یہ امران مثالون مین صاف واضح ہوجاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و میرزا دونون نے استعمال کیا ہے -

ھل اتی - انّما - قل کفیٰ - یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضایل کی تلمیحات (الیوژن) ہین ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اغیار لاف زن ہین، شہ لافتا ہین یہ کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفی ہین یہ	اہل عطا مین تاج سر ہل اتی ہین یہ خورشید انور فلک اِنّما ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین مین ہین
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین ہین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حاصل ہوا ہے مرتبۂ لافتا کسے کہتی ہے خلق، بادشہ قل کفا کسے	حق نے کیا عطا یہ عطا ہل اتی کسے کونین مین ملا شرف انّما کسے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے، ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمرشہ کی لگا باندھنے خورسند

ع اک دلو بھرو پانی سے اور ایک حلب لو

ع نوبت زنِ نہ بام عروج فلک پیر

ع ملبوس قلمکار نہ دون ہے نہ پرانا ؎

شرع کہن ناطقہ منسوخ کرون گا	سر کو عوض پارۂ مدحت مین دہرون گا

ع یہ صورت پیمبر قوسین مکان ہے ؎

وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ یہ فانوس تیغین کہچین یکدست تُلے گر ہہی نیت	ہے طلعت جلد و نفس سینہ یہ محسوس ناگاہ کہلا دشت مین بازار زد و کشت

ع نہ چشم جراحت نہ رہ فوت کو دیکھا
کہتے ہین جسے عاشق شیدا ملک وناس
خیاط عہد طفل شاہ انام تھے
اسکی ثنا مشقتِ مالایطاق ہے
نانا نے تو قلم کیئے جبریلؑ کے پر ~ سے

کفار بڑہے طیش سے ہونٹون کو دبا کے		دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے	

آمد ہے امام سوم ہر دو سرا کی ~ سے

اس سر پہ دہرے ہات یہ قسمیہ اجل ہے		بس ہدیہ اللہ کے قابل یہی پھل ہے	

بندش کی سستی اور ناہمواری میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ الفاظ کی ترکیب، نشست اور بندش، کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑہ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی- ترکیب کی دلآویزی- الفاظ کا تناسب، اور برجستگی وسلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرعہ مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے دوسرا بتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ، الفاظ بڑے دہوم دہام کے ہین لیکن حاصل کچھہ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر اُن کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کئے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ~ سے

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے		اے طنطنۂ طبع جزو کل کو ملا دے	

اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے | اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلہ دے

اے بات بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب مین ہے، کس زور شور کی اُٹھان ہے، کیسے پُر رعب الفاظ ہین لیکن معانی مین بہت کم ربط ہے۔ [illegible] سے کیا نسبت ہے؟ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بات کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے۔

بولا علم خامہ فلک پر مین گڑون گا | سکے نے ندا دی زر انجم پہ پڑون گا
معنی نے کہا بیت مین آئینہ جڑون گا | مضمون پکارا مین کسی سے نہ لڑون گا

بندش یہ کھلی دم مین فصاحت کا بھرونگی
چلائی طبیعت کہ مین اصلاح کرونگی

پہلے دو مصرعے کسقدر دہوم دہام کے ہین، تیسرے مین تنزل شروع ہوا، چوتھا بالکل گر گیا کیونکہ اوپر کے مصرعون کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمین بھی کوئی ایجابی دعوی کیا جاتا۔ مضمون کا نہ لڑانا اگرچہ معنی تعریف کی بات ہے، لیکن بیان لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہین۔ اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کسقدر پھیکا اور مبتذل ہے طبیعت کے چہانے کا کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے۔

مین کون ہون صاحب علم کلک جہانگیر | نوبت زن شہ بام عروج فلک پیر
تاج سر لفظ و سخن و معنی و تحریر | خاک قدم محتشم و شبل شبیر

شکر کرسکے ہان تو شکایت بھی نہین ہے

انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کسقدر بیگانہ ہے، ؎

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ — کہتا ہے سخن حضرتِ اُستاد ہمیشہ

کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ — بھولے سے بتا دون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی

پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لیئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع، تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، استادی کا ذکر دوسرے مصرع مین ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہوسکتا ہے، ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بالکل بے تعلق ہین۔

تین چار بند کے بعد فرماتے ہین ؎

مضمونِ تر و تازہ ہے جیسی ہین یگانا — ملبوس قلم کا نہ شدہ دن ہے نہ پرانا

اس دھیان کے آنے سے کرم شاہ کا جانا — خُدام ولا ہوے کہان ہاتھ بڑہانا

لے ہدیۂ تائید قدیر ازلی سے

لے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ سے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز مین باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہوگیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ مین نہین آتا۔ اس دھیان کا مشار الیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمانِ دو عالم نظر آئے — مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے

طاؤسِ تصور کی طرح دل مین در آئے — شیشہ مین پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے، دُر آتے ہین عدن سے
لعل اُگلون گا مین طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاؤس سے کس بنا پر ہے اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل مین اسطرح اُترا آئے جسطرح طاؤس تصور دل مین اُترتا ہے، طاؤس دل مین نہین اُترتا، اور اگر تصور کے طاؤس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل مین اُتر سکتا ہے طاؤس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ مین عجب بے ربطی ہے شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی مین لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ؎

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے

اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بلبل نہ لب و لہجہ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن ور ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن ور ہے ہمارا

کسقدر بھدے الفاظ اور بھدّی ترکیبین ہین۔ اسکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہو سکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجائے القاب باندھا ہے ؎

سرکار ہے ہر مجلس تسخیر ہماری
آئینہ سکندر پہ ہے تسخیر ہماری

مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
ہے مُہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکّہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے، کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے، جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا آخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہات مین پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے، ٥

قابل مین سخن کے ہون سخن ہے مرے قابل
رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل

لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل
موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائید شہ جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہین فلک سے

سخن شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت، یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے یا تو یون ہونا چاہیئے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیئے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے، اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے ٹیپ کے دونون مصرع قریباً باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ٥

ہین وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی
ہر بحر مین ہے بحر طبیعت کی روانی

ہان قلزم شیرین کا سبھی پیتے ہین پانی
ہے زور سخن شور یہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بخت مین، مین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے، بحث مین صرف ہونا کونسا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے،

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے	جھک کر سر فخا اور بجا ملتے ہین سب سے
نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے	جس طرح سے بد اصل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو
مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین انکساری اور خاکساری کے بجائے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق ولاحق کی سادگی وصفائی سے نہایت بیگانہ ہے،

شیرین سخنی کا ہنر اکبر سے لیا ہے	اس ذرہ مین سب مہر حسینؑ کی ضیا ہے

ہم مہر ہی افلاک سے گو خاک بسر ہون
ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے	رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے	خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے دربند | جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظربند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمربند | سیارے ہین غلطان صفت طائر پربند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر | کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم و دیر
جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر | نے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارون کی ہے سیر

ساکت ہین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر۔ بدن غیر۔ مکین غیر۔ مکان غیر
اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ؎

بیہوش ہے بجلی پہ سمند انکا ہے ہشیار | خوابیدہ ہین سب طالع عباسؑ ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید علم انکا نمودار | بے نور ہے منہ چاند کا رخ انکا ضیابار

سب جزو ہین۔ کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعۃً اس قدر بے تعلق ہو گیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، اُنؑ کا مشارٌالیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لئے ذہن اسطرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے، دوسری طرف فرماتے ہین

کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ٥

چمکا کے مہ و خور زر و نقرہ کے عصا کو — سرکاتے ہین پیر فلک پشت دوتا کو
عدل آگے بڑھا - حکم یہ دیتا ہے قضا کو — ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے۔

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کر دین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہو سکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین، اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ٥

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی — پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشان رسالت مآب کی — چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقشہ علم کے پنجہ مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبحِ جہادِ شاہِ ثریا جناب ہے — فوجِ حسین بن کے ظفر ہمرکاب ہے
مشرق ہے وان علم - علمِ آفتاب ہے — یان نور کا نشان علم بوتراب ہے
روشن علم سے آئینہ مشرقین ہے
مشرق مین شمس عکسِ نشانِ حسین ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم — اور نور نخل طور بھرا اسمین یک قلم

کی صادقون کی راستی قول اسے ضم
بے پردہ ہو کے عفو بنی پوشش علم
جب باندہ کر پھریرے کو سیدھا علم کیا
صانع نے پردہ مین ید طولی علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردہ جلال
ماہی مراتب اس سے ہے شاہنشہ کا پائمال
بپھرا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال
شیر فلک کو دیکھ کے ہوتا ہی لال لال
تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
سایہ نبیؐ کا ہو کے مجسم علم بنا
وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا
یان پوشش علم وہ سحاب کرم بنا
سب کام بند ہون، جو پھریرا نہ وا رہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا رہے

اب رایت زبان سے علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون
مجلس مین ذکر شقۂ حال علم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون
مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم
تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید مرزا صاحب، کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید بھی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظات نہین آتے اس سے لئے مضمون ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف۔

مدنگہ چشم نیام اوج پر آیا +	اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خفر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دہوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین	دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سرداروں کے منہ زرد پھرے ہین	بت حرص کے طاق دل عدا سے گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دہوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت	یان دیکھو تہ عرش جبین چشم کی زینت
اسرا ہے نبی کے لئے یہ کاسہ نعمت	ہم صحبت دہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبی کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون	حل عقدہ ہیح سر اقدس کو بھی کر دون

گردون کو مین نسبت سر پرنور سے گردون
یہ عرش ہوا اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمدؐ ہے اسی فوق جہان پر
خورشید سے اک نیزہ سوا ہوگا سنان پر

تو غنچہ ہے گوش پسرِ سید خوشخو
قرب خط زلف سے پر نافے کی ہے بو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو
ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش کے نافہ کو یہان غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغ رخ تابان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

تام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
یان پھول سر کو ملین پھل ہو نصیب بید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبرؑ نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبرؑ دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبرؑ کی ہو ثنا
یکتا مطالعین ہے یہ مطلع رسا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفےٰؐ
کیا بیت سجتی ان سے کرے ماہ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہے اٹھارہ سال سے

آتی ہے، بوے شیر وہان ہلال سے

تشبیہات واستعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین، اس مین شبہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف شاید کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہو گا، لیکن اس زور مین وہ اکثر اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غایب ہو جاتے ہین مثلاً

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف تا قاف
پریان ہوئین مرغابیان گرداب بنا قاف
چھپنے کیلئے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف
جو بیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے کے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذاب ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباسؑ جو دامان زرہ مین تھی نہان
یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مار دو زبان
چمکا وہ ہلال بروے یوسف کا کنوین سے
یا برق جدا ہو گئی بادل کے دہوین سے

تا بنگہ چشم نیام اوج پر آیا
اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا
یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

گرمی پہ شرر تیغ شرر دم کے جو آئے
جو ہر نے کنوین قعر جہنم کے جھکائے
تھی مرغ نگہ بردون مین پر اس نے جلائے
عنقا نے تصور کے کباب اسنے لگائے

ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کئے پھری
یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیے پھری
چہرہ سے بنی صف لشکر بھی دور کی
بت خانہ سے شباہت صنم بھی دور کی
کاف شگاف بنکے درون جگر گئی
مانند سیم مرگ میان کمر گئی

لفظِ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی — مانندِ پیش ہر جز و کُل سے گذر گئی
رن کی صفوں کا خوف سے ستھراو ہو گیا — پانی ہوے یہ زہرے کہ چھڑکاو ہو گیا
بینی جبین ولب سے حسینؑ و خلیل ہے — سر پر ہے عرش زیرِ قدم سلسبیل ہے
بنضین چھٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے — شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے
نہیبِ تیغ سے خالی سبھون کے قالب تھے — پیالہ ہاے فلک روحون سے لبالب تھے
گیا جو فوق سے تحت الثری کو آبِ حسام — بنا خزانۂ قارون خزانۂ حمام
فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام — ہوا رطوبتِ اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بہ صد وفور گرا
گیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر مین طرفہ ہیبتِ تیغِ دلیر ہے — مچھلی کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے
بادل کی طرح جوہرِ شمشیر جو چھا گئے — سایہ نے تڑپ تڑپ کر وہل رعد بجا گئے
چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے — پر آئینہ نہین ہے سند ہم نے پائی ہے
زائل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہے — آنکھون نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے
ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کچ کر گئے — غصہ سے ہو کے چین بہ جبین کچھ ٹھہر گئے
پل بن گئے وہ چین جبین سر اُتر گئے — اک وار مین فرات سے پار ان کے سر گئے
پرِ ذوالجناح صاف دہن سے نکل گیا — بارود تھا کہ اُڑ کے کنوین سے نکل گیا
تھا طوطی خط پشتِ لبِ لعل پر گویا — دیکھو کہ دھوان آتشِ یاقوت سے نکلا
تھا چاہِ ذقن مین چہ نخشب کا تجلا — اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے

دروازہ پہ یاقوت تھے اور گھر مین گُہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر
چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے
پیدا اگر ہے کنہ جناب الہ ہے
پتلی ہے کوہ طور تجلی کبریا
جب تک یہ پلکین دست نگر ہین نہ دین عصا

مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پر
پلکین نہ سمجھو ہالۂ دودِ چراغ ہے
یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے
سنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا
موسیٰ کی بھی نگہ نہوا اس چشم تک رسا

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا بہر وہ پُر دغا
یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا

کی خود نے خود نمائی سے زیب سر جفا
یا وار قد پہ کفر کا بخت سپر پڑا

اسلام مین جو ڈالے ہین رخنے یزید نے
ان رخنون کو کیا زرہ تن پلید نے

پاؤن مین پہنے موزہ گمراہی جہان
اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان

کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان
فرد سپر تھی نامۂ اعمال شامیان

چار آئینہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی و خیال آفرینی

میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طُرّہ ہے۔ اسمین کچھہ شبہہ نہین کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست تھی۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور

تشبیہات ڈہونڈہ کر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طایر وہم پرواز نہین کر سکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے، وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندہ چکے تھے اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہو چکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہو جاتے ہین، مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی۔ جدت استعارات۔ اختراع تشبیہات۔ شاعرانہ استدلال شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین، لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہو جاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہو جاتا ہے، تشبیہات کہین چیستیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُترجاتا ہے نہایت بلند رتبہ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم انکے ہر قسم کے عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

(صبح)

جب[۵] سرنگون ہوا علم کہکشان شب
خورشید کے نشان نے مٹایا نشان شب

تیر شہاب سے ہوئی خالی کمان شب
تا نی نہ پھر شعاع قمر نے سنان شب

آئی جو صبح زیور جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھدی اُتار کے

شمشیر مشرقی جو چڑہی چرخ پر شتاب
تھا بسکہ گرم خنجر بیضاے آفتاب

پھر تیغ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا

۵ اس کے مقابلہ مین میر انیس کی صبح دیکھو۔

باغ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوش خون کے عارضہ مین مبتلا شفق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق

فصّادِ صبح آیا لئے نشتر و طبق
گلرنگ تھا صحیفہ گردون ورق ورق

خونِ شفق مین نسخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خالِ روز شہادت رقم کیا

ایضاً

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی
اور قطع زلف لیلی زہرہ لقب ہوئی

پنہان درازی پر طاؤس شب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی

فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا
یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا

یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا

فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا

یا چہرہ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
یا فاطمہ کا نالہ گردون رسیدہ تھا

کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا اُفق سے عابد روشن ضمیر صبح
محرابِ آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح

کھولا سپیدی نے جو مصلاے پیر صبح
ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح

کرتی تھی شب غروب کا سجدہ وودو کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا
پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
باطل رسالہ شب دیجور ہو گیا

کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین

ایضاً

گلگونہ شفق جو ملا حور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے
اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
ٹھنڈے چراغ کردیے کافور صبح نے

لیلاے شب کی رات کو دولت جو لُٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتان صبح
سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح

مُنہ سب کے سوے قبلۂ اُمید ہو گئے
سرگرم سجدہ - عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لئے شاہ نیمروز
باندھے کمر مین خنجر بیضاے کینہ سوز
ماہی شکار شیر سوار و جہان فروز
پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز

مہتاب لشکر شہ خاور مین گھر گیا

اڑہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا سحر سحر — ذرّوں میں نور مہر در آیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہنچا بدر بدر — لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح طمع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا — پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا پل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا — خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جان نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہیں

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے — بگھر کے پیچ میں - یہ ٹیڑھی سیدھی چال سے
اُٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے — اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو — پاؤں میں گمرہی کو سروں میں غرور کو
سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو — نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان - زبان میں یہ کاٹ آئی بات کو

سب کے گلوں سے ملتی تھی لیکن ڑکی ہوئی — جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی
ظرف تنگ میں تھی نہ جگہ اسکی آب کی — ولہ — بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریامی خون تہا تیغِ سبک رو کی ناو پر — پریون رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاو پر

ولہ

اللہ ری سشناورِ شمشیر آبدار — دکھلا دئے صفائی کے سب ہات ایک بار
تیرا وہ جوے زخم مین گہ وار- گاہ پار — جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار

اک وجد حُر کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہاتھ اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ مین لیلیِ تیغِ دو سر گئی — چمکے بہلون کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف نے خاک اُڑائی- اُدہر سے اُدہر گئی — پھر یہ نہا نہا کے لہو مین- نکھر گئی

عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تہا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑہی- کبھی پیچھے کو پھر پڑی — سر پر جو لڑکھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

ولہ

اُٹھی- گری- بلند ہوئی- پست ہو گئی — پی پی کے پیاسون کا لہو مست ہو گئی

ولہ

نیزے تنے تو اسنے کہا دیکھے بھالے ہین — بچتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
برسے جو تیر سمجھی کمانون کے تالے ہین — چمکے جو گرز- بولی یہ منہ کے نوالے ہین

ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بیجسم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی — لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک و صاف تھی

ولہ

قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دین مین — پھل جا کے لگا شاخِ سرِ گاو زمین مین

ولہ

اس قہرِ مجسم پہ اجل نے جو نظر کی — مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سر کی
غصہ سے چڑہی بھون جو اُدہر تیغ دو سر کی — بھرنے لگی پتلی سپرِ فوجِ عمر کی

باقی تہا نہ دم، خوف سے تیغین یہ گہٹی تہین
تیغین نہ کہو، نبضین نیامون کی چہٹی تہین

خود رفتہ تہا ہر تیر یہ رفتار نہی تہی | ولہ | انگڑائی کا لینا بہی کمان بہول گئی تہی

تہی راست گو وہ تیغ - یہ روشن جہان پہ تہا | ولہ | جتنا لہو پیا تہا وہ جاری زبان پہ تہا

کٹتے تہے سر نہ تیغ امام عراق سے | ولہ | بت گر رہے تہے خاک پہ کعبہ کے طاق سے

سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تہا | ولہ | کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تہا

رک رک کے قدم رکہتی تہی ہر سر پہ ادب سے | ولہ | جہک جہک کے مثال شتر فالتی تہی سب سے

جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا | ولہ | زخمون نے بہی اس تیغ کا پانی نہ چرایا

ہوتی تہین صفین آب دم تیغ سے بیدم
حل کرتی تہی ہر مسئلہ تیغ شہ عالم | ولہ | پانی جو کہڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم
ہے خون نجس، اسمین یہ آلودہ تہی ہر دم

پر اسپہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا
یعنی کہ نجس آب رواں ہو نہین سکتا

اللہ رہی دماغ اسکا کسی سر پہ نہ بیٹہی

سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹہی
بالا سے سپر پہولون کے بستر پہ نہ بیٹہی

یہ بیٹہنا کب تہا، ادہر آئی ادہر آئی
جس سر پہ رکہا پانون زمین پر اتر آئی

اسی طرح گہوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دہوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات، اور باریکیان پیدا کی ہین - ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بے شمار مضامین کا مینہ برسا سکتا ہے اسکی قوت متخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے -

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس، اور دبیر کی شاعری کی سرحدین، بالکل الگ ہو جاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین، بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شایبہ نہین پایا جاتا۔

تم اوپر پڑہ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے۔ مضمون کی الگ، قصّہ کی الگ، قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ، لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا نوحہ وغم۔ فخر و دعا۔ طنز و تشنیع۔ ہجو و بدگوئی۔ سوال و جواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے موافق نہین لکھہ سکتے۔

ہم چند مثالین، نمونہ کے طور پر لکھتے ہین۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر، حضرت شہربانوؑ کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

تم جاؤ جہان سے شہ عالی کو لے آؤ
اکبر سے مین گذری میرے والی کو لے آؤ

"تم جاؤ جہان سے" اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری، میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کرو۔

مثال ۲

ناگہان بالی سکینہؑ نے مچلکر یہ کہا
میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا
خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا
روٹھہ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا
آپ جب خیمہ مین آئینگے تو چھپ جاؤنگی

پھر مجھے گود میں لو گے تو نہیں اڑون گی

روتے ناداں کی تقریر پہ عباسؑ کمال
اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو رد نہ سوال

بے پدر ہوگی کوئی آن میں یہ تھا خیال
چاک اسکا بھی گریبان کیا با حزن و ملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دیدیے کے ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ بندھا ہے کہ حضرت عباسؑ، جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے، یہ دیکھکر سکینہؑ (حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی) نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو، مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھہ دیر مین شہید ہو نگے، اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہوجائینگی، اس لئے انکا گریبان بھی چاک کردیا۔ حضرت عباسؑ کو، امام علیہ السلام سے جو عشقیہ محبت تھی اور جسکا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کرلین، اور اس بنا پر انکے بچہ کو یتیم فرض کرکے اسکا گریبان چاک کردین ۵

مثال ۲ یہ کہتی تھی کہ آئی قرین بنت مرتضےٰ
تسلیم کرکے بانوؑ نے سر کو جھکا لیا

زینبؑ پکاری بیٹھو ادب سے لو چکا
جسکی نہ بات پوچھی تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہین بنت جناب امیرؑ ہون
گھر مین تمہارے رہتی ہون اس سے حقیر ہون

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علیؑ اکبر کو شہر بانوؑ نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی مین جانے کی کیون اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہر بانوؑ سے کہتی ہین کہ جب میری بات نہین پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لیے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے گھر مین رہتی ہون اسلیے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین۔

مثال ۴۔ محبوب ہون خدا سے ذوی الاحترام کا ۔ ۔ ۔ نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسولؐ خدا کی زبان سے ادا کیا ہے لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ کیا آنحضرتؐ کبھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے،

مثال ۵۔

یہ بات سنکے بنت نبی نے گھونگٹ الٹ لیا ۔ ۔ ۔ عباسؑ کو حسینؑ کو، اکبرؑ کو دی صدا
صدقے مین تم یہان سے سرک جاؤ اک ذرا ۔ ۔ ۔ تم سب کے آگے روتے ہوئی آئے گی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دل پاش پاش پر
جی بھر کے رولے یہ بنت قاسمؑ کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ و عباسؑ و شاہ دین ۔ ۔ ۔ لاشے کے گرد پھرنے لگی وہ دلہن حزین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین ۔ ۔ ۔ اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اے پھوپھی! انھین کیا کہکے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ مرزا صاحب، اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم، ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کیے ہین، چنانچہ عروسی۔ شادی۔ اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین۔ اس بنا پر حضرت کبریٰؑ کا اپنے باپ، چچا۔ اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ۔ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون کسقدر بےحجابی اور بے شرمی ہے۔ طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی

لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی۔ مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو ایک اور مرثیہ میں لکھا ہے اور وہاں تو حد کردی ہے، فرماتے ہیں ؎

ناگاہ شہ نے لاش اٹھائی بہ صد بکا
کبریٰ نے بات باندھ کے تب شاہ سے کہا

ہم کچھ کہیں جو مانئے اے شاہ کربلا
احسان ہوگا لاش کو رکھ دیجئے ذرا

بالیں پہ پٹیں سر پہ ذرا خاک ڈال لیں
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لیں

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر

بیٹی لٹے گی یوں، ہمیں اسکی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہ کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لیئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیئے کہ وہ برائے نام دولہا ہے ورنہ چچا کا بیٹا، اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
بیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دلفگار

چادر سپید اوڑھا کے دلہن کو بحال زار
گودی میں لائی زینب غمگین و سوگوار

چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو۔ دلہن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسم کا ہوا شور جو در پر
بانو نے کہا لٹ گئی لوگو! میری دختر

فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر
سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون رہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ مین دولہن رہ گئی، اور سب نکل آئے

مثال ۶ کہا سجادؑ سے کبریٰؑ نے یہ اس دم رو رو
تا مجاور ہین بنون کھول کے اپنے سر کو

بھائی صاحب مرے دولہ کو بھی اب دفن کرو
کہا کبریٰؑ سے یہ سجاد حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے بہم با دل غمناک کرین
قاسم ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ۷ حضرت سکینہؑ کو قیدخانہ مین غش آگیا ہے، ان کی مان حضرت شہربانوؑ کو خیال ہوا کہ مرگئین، انہون نے نوحہ شروع کیا حضرت زینبؑ انکو سمجھاتی ہین - اس واقعہ کو مرزا صاحب اسطرح ادا کرتے ہین

زینبؑ نے رو کے، بانوئے مغموم سے کہا
اور مرگئی تو خیر جو اللہ کی رضا

بے آس ہو نہ بھابھی، ہے غش مین یہ مہ لقا
اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا

ہے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "خیر مرگئی تو کیا کرو گی، جو اللہ کی رضا" کس قدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر نا آشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونون صاحبون کے ہم مضمون مرثیون کا مقابلہ کیا جاے، چونکہ مرثیہ کا موضوع، صرف چند معین واقعات ہین اسلئے اگرچہ دونون صاحبون کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات، اور مضامین، مین ہر جگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونون حریفون نے اکثر مرثیے، اور بند، اور متفرق اشعار، ایک دوسرے کے مقابلہ مین لکھے ہین، یہان تک کہ بعض بعض بندون مین مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہین، افسوس ہے کہ ان موقعون پر یہ پتہ نہین چل سکا کہ ابتدا کس نے کی، اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قراین سے (جیسا کہ ہم دیباچہ مین لکھ آئے ہین) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ مین میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہین ہے
اس عہد مین سب کچھ ہے، پر انصاف نہین ہے

اسی بحر مین مرزا دبیر صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس مین بھی فخریہ ہے، اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہین ہے
انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

دونون شعرون کو دیکھ کر ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کسکا جواب لکھا ہے،

میر انیس اکثر شعرون مین مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہین مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

ع پیاسو! پیو سبیل ہے نذر حسین کی، ؎

ممکن نہین دزدانِ معانی سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل — اُٹھا چکے ہین زمین سنداِ جن زمینون کو
نواسنجیون نے تری اے انیس — وله — ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

ع مضمونِ انیس کا نہ چربا اُترا

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہین سرقہ کی تعریض نہین کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً

والله بری ہون سرقۂ مضمون غیر سے — ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون — ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون

بہرحال ہم کو یہ فرض کر کے کہ دونون مین سے کوئی سرقہ کا مجرم نہین، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونون کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل مین درج کرتے ہین

پردہ کا اہتمام

انیس
بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار — روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشون کو عباس پکارے یہ بہ تکرار — پردہ کی قناتون سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہین رسول دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکون سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے — آتا ہو ادہر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے — دیتے رہو آواز جہا تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف انکو دیے ہین
افلاک پہ آنکھون کو ملک بند کیے ہین

دبیر
دربان عصا اُٹھا کے بڑھے جانب لیسار — دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آآ کے در پہ لونڈیان چلائین بار بار — آئے ادہر نہ کوئی جائے ہوشیار

آواز غیر سُن سکے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اُترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النسا نے پائے
ہان ہان مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے

وہ مان کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے
ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادہر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جاے جسکا کہ قامت بلند ہو

دونون بزرگون نے عورتون کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندہا ہے لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی - خوبی محاورہ - چستی بندش، کے علاوہ بلاغت کے نکتون پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگون کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباسؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینبؑ کی عظمت و شان کے اظہار کے علاوہ، اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانون مین پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہین بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانون، نقیبون، اور لونڈیون کے سپرد کردیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر مین کوئی مرد تھا ہی نہین، یا تھا تو اسکو عورتون کی چندان پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام مین نقیبون کا کیا کام ہے، لونڈیون کے غل مچانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب و شایستگی نہین پائی جاتی،

ذیل کے دونون مصرعے بالکل ہم مضمون ہین لیکن دونون مین زمین و آسمان کا فرق ہی ؎

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،
دبیر ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادہر کوئی آنے پائے،

صغرٰی کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار
شاید کہ سفر ہی میں شفا دے مجھے غفار
اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار
یان کون ٹھہر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہین جو اٹھ کے کھڑی ہون
اے لوگو! مین کیا آپ سے بیمار پڑی ہون

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لیے جاتے ہین لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہین، اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہین حضرت امام حسین ع اور گھر کی عورتین سمجھاتی ہین کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہین کر سکتی ہو صغرا جواب دیتی ہین اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہین ؎

کیا خلق مین لوگو! کوئی ہوتا نہین بیمار
زندہ ہون جو مردہ کی طرح ہو گئی ناچار
ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
کیون جاتے ہین سب مجھ کو [illegible]

حیرت مین ہون باعث مجھے کہتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان مین جو حسرت رنج اور بیکسی ہے وہ مرزا صاحب کے ہان نہین، "اک بات پکڑ لی"، عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے، ٹیپ کے دونون مصرعون مین کوئی ربط نہین، اور یہ کہنا کہ مجھکو اٹھنے کی بھی طاقت نہین، صغرا کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے کیونکہ جب اٹھنے کی طاقت نہین تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہین،

اسی بنا پر میر انیس نے جہان یہ واقعہ باندھا ہے، صغریٰ ع کی زبان سے یہ کہا ہے ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت مین کئی روز سے خفت

بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرتؑ — پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو حضرت صغراؑ کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین۔

اصغرؑ سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانوؑ نے رو رو — صدقے گئی، فال ایسی تو مُنہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو — شبیرؑ ہو - دینا ہو - ترا کنبہ ہو - تو ہو

کب مین نے کہا یہ نہین اصغرؑ ہے تمہارا
لو شوق سے دیکھو، یہ برادر ہے تمہارا

پھر ہاتون پہ اصغرؑ کو رکھا کر کے یہ زاری — لٹکا دیے ہات اُس نے ہمک کر کئی باری
مان نے کہا لو گود مین یہ آتے ہین واری — اصغرؑ کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملون یا نہ ملون تجھ سے بلا لون
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون

صغراؑ کا رخصت کے وقت علی اصغرؑ کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت درد انگیز سمان ہے، اور اکثر مرثیون مین یہ سمان نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے، لیکن مرزا صاحب ایسے درد انگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دے سکے، دیکھو میر صاحب اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہین ؎

مان بولی یہ کیا کہتی ہے صغراؑ ترے قربان — گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جاے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان — صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا

کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری — اصغرؑ مرا روتا ہے صدا سُنکے تمھاری
وہ کانپتی ہاتون کو اُٹھا کر یہ پکاری — آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغرؑ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی — تڑپے ہو تمہین چھاتی سے بھی لپٹا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی — رکھ لون تمہین اماں کو بھی سمجھا نہین سکتی

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمہین طاقتِ گفتار نہین ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو صغرؑا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا اور جوش محبت مین چھ مہینہ کے بچہ سے اپنا دردِ دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگاؤن، میر صاحب نے پورا دردِ دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع اصغرؑ کی طرف ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری، میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری،

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ہان ہات کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے۔ ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری،

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگاؤن، "چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے

اعلیٰ و ادنیٰ کا مقابلہ

کچھ خار مغیلان گل تر ہو نہین جاتا — قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا

ہر قطرۂ ناچیز گُہر ہو نہین جاتا　　مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰؑ نہین کہتے
ہر بات کو عاقل یدِ بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈھونڈہین لیکن وہ بات پیدا نہوسکی مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام یزید اور ہین اور اپنے امور اور　　باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے، اور آتشِ طور اور　　زنبور کا غل اور ہے، الحانِ زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے، خدا کیا ہے، زمین کیا ہے، فلک کیا

سامان سے کوئی صاحبِ ایمان نہین ہوتا　　ہر اہلِ عصا موسیِ عمران نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا　　آئینہ گر اسکندرِ دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ؎

ہر سبزپوش خضر نہین عز و جاہ مین　　سرسبز حیدری ہین جناب الٰہ مین
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین　　دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین +
ہر اک یتیم دُرِّ یتیم اے عمر نہین +

چاہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار　　واللہ جعل ساز ہے کیا اسکا اعتبار

ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریسؑ نامدار | ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلون کے عیش کا سامان ہوگیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمان ہوگیا

حُر کا واقعہ۔ حُر پہلے یزید کی طرف تہا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُسکا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہو کر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُسکا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، ان دونون مرثیون کے مقابلہ کرنے سے، دونون حریفون کے مدارج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ؂

مرزا دبیر

لگے یہ گھوڑون پہ غازی ہوے دونون اسوار
اور چلے شاہ کی جانب کو ترا کر رہوار

پہونچے نزدیک شہ دین تو پکارا اجرار
بخشدے جرم شہنشاہ نجفؑ کے دلدار

رو سے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جان رسول مختار

مجرم ایسا ہون کہ عصیان کہین جسکے شمار
عفو کر، عفو کر، اے چشمۂ فیض غفار

پار دریا سے خطا سے مری کشتی ہوجاے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہوجاے

مرزا دبیر

واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا اے شاہ
نذر سر لایا ہون، مقبول ہو اے عرش پناہ

بخشدو عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ
اور بتاؤ میرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ

حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہووے گا

اور اکبرؑ سے مہ پر مرا لال فدا ہووے گا

میر انیس

کئی روزون سے تلاطم مین ہون اے شاہنشاہ
مدواے نوحِ غریبان مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ
شور کرتا ہون کہ بتلائے کوئی جاے پناہ

ابر رحمت کی طرف جائیے صدا دیتے ہین
سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہین

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہِ زمن
ہات کھولے پسر عقدہ کشا نے فوراً
کانپ کر پاے مبارک پہ جھکا سر افگن
سر اُٹھا کر کیا سرور نے یہ بھائی سے سخن

گو سر حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایا
آن کر تم بھی کرو اسپہ علم کا سایا

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
جوش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم
خود بڑہے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہِ امم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اُسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لیئے پاے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
مین نے بخشی ترے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضا مند ہون کس واسطے مضطر ہے تو
مجھکو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزند پیمبر سے یہ اسوقت کہا
سایہ دامن رایت تو ہے ظل طوبیٰ
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا
رخ کیا جب سے ادہر کا یہ ہے الطافِ خدا

مرحبا فاطمہ زہرا مجھے فرماتی ہین
سایہ چادر کا مرے سر پہ کیے آتی ہین

انیس
حر پکارا "بابی انت وامی" یا شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین مل جائے راہ
قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب ہے صدقہ انہین قدمون کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

دبیر
عرض کی بہر شہ والا سے بہ جوش رقت
عفو تقصیر ہوئی - اب ہو عنایت رخصت
کرتے ہین دشمن دین جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہین بندے مین ذرا اب طاقت

گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس
لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
عرض کی حر نے کمر خلد مین کھولے گا غلام

فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہین خدنگ
ایک ہی وار مین دونون کو کرونگا چورنگ
شاہزادون کی سپر ہون کہ عبادت ہے یہ جنگ

کہین ایسا نہ ہو یہ کوئی بیجان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

دبیر
پسر حر کے معرف علی اکبر سے تھے کہ واہ
حر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ

دونون تسلیم کنان صرف وغا تھے ذی جاہ
مژدۂ گلشن جنت انہیں پہونچا ناگاہ

دونون یک مرتبہ بیزار ہوئے جینے سے
نیزۂ ظلم و ستم پار ہوئے سینے سے

انیس

بڑھ کے فرماتے تھے عباس زہے عزت و جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حُر غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مُسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر

اس گھڑی فاطمہ کے لال سے حُر نے یہ کہا
آپ کے صدقے سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
شیر حق میرے سرہانے ہین کھڑے ای مولا
جام کوثر لئے کہتے ہین بصد لطف و عطا

لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

ان سے مین عرض یہ کرتا ہون کہ ای شاہ زمان
پسر فاطمہ پیاسا ہے مجھے پیاس کہان
صبح سے جھولے مین بیہوش ہے اصغر نادان
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبر سا جوان

پیاسا ہون، اسپہ بھی پانی نہ پیون گا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیون گا مولا

انیس

نیم وا چشم سے حُر نے رخ مولا دیکھا
زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا
مُسکرا کر طرف عالم بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا

عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہین فرشتے یاشاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہین اللہ اللہ

ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو بر آمد ہوے شبر بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

دبیر

مڑکے عباس دلاور کو پکارے سرور
گئے عباس ادھر یان ہوا برپا محشر

روک لو تم کہ سکینہ چلی آتی ہے ادھر
حُر بھی فرزند بھی حُر کا ہوا گویا روکر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب چمنِ خلد کو ہم جاتے ہین

انیس

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین

پڑھیے یسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی

آیا ماتھے پہ عرق - چہرہ پہ زردی چھائی
چل بسے حُر جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
تپلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

میر انیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے، یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حُسنِ بندش سے کلام مین کس قدر صفائی - برجستگی اور زور پیدا ہوجاتا ہے -

قیدخانہ کے واقعات | قیدخانہ کا حال، اور ہند کے آنے کا واقعہ دونوں نے لکھا ہے- اور ایک بحر مین لکھا ہے- میرانیس کا مطلع ہے مصرع جب قیدیون کو خانہ زندان مین شب ہوئی-

اور مرزا صاحب کا مطلع ہے مصرع جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا-

میرانیس نے تفصیلی حالات نہایت موثر پیرایہ مین لکھے ہین- مرزا صاحب کے ان طرف ۳۶ بند ہین- لیکن بعض مضامین مشترک ہین- وہ ملاحظہ ہون ؎

دبیر

راوی نے حال خانہ زندان ہے یون لکھا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا

وحشت مین مثل قبر اور آفت مین کربلا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا- نہ پانی نہ غذا

شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ماتم حسین کے داغون کی روشنی

انیس

کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
وحشت لگا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان

ثابت نہ جس مین سقف نہ در اور نہ سائبان
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان

ظلمت سرا سے گور تھی- زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر

ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
زینبؑ کے دل پہ صدمہ ہوئے ہوا فزود

اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
غربت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ ودود

سر زانوون کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا

اب نام بھیجو نہ مرا تم یہ مین فدا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابد کو دی ندا

پیدا و اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنہائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ کہکر وہ خوش سیر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
تھین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے، کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ مین ہون خواہر امام
ہم ہین فقیر، ہم مین امیرون کا کیا ہے کام
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجو کہین اسکو میرا نام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینب کدھر گئی
کہدیجو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
کیا جانیے کہ بعد حسین اسپہ کیا ہوا
بولے نہ ان سے پوچھ یہ زینبؑ کا ماجرا
قدمون پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا
رو کر کہا قسم مجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمہین ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سُن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
مُنہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
پھر مڑ کے روئے حضرت زینب پہ کی نگاہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرت اله
ہرگز غلط نہین جو مجھے اشتباہ ہے
زینبؑ تمہین ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ مین، عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلیہ مین مستثنی ہوتا ہے

بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہیں ہو سکا چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغرؑ کے لیئے پانی مانگنا

واقعات کربلا مین یہ واقعہ نہایت دردانگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام، اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنوں کے سامنے لیجاکر اس بات کے ملتجی ہوے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اِس کے گلے مین پانی کی ایک بوند ٹپکا دو، اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک نئے نئے موثر پیرایوں مین ادا کیا جاتا ہے، میر انیس صاحب نے مختلف مرثیوں مین یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے، ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے
اسکا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین
آنکھیں پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین
در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ
تجھکو قسم ہے روح رسالت مآب کی
ٹپکا دے اسکے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہو سکا، فرماتے ہین ؎

دبیر

ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبطِ مصطفیٰؐ
لے تو چلا ہوں فوج عمر سے کہوں گا کیا

نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا | منت بھی کر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا

پانی کے واسطے نہ سنینگے عدو مری
پیاسے کی جان جائیگی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے | چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے | چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے

آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہیں
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر میں بقول عمرو شمر ہوں گناہ گار | یہ تو نہیں کسیکے بھی آگے قصوروار
شش ماہہ بے زبان نبی زادہ شیرخوار | ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمھیں کچھ خیال ہے | [illegible] بیکس کا لال ہے
لو جان لو تمھیں قسم ذوالجلال ہے | پیغمبر کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمیں ناموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر | رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر | سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو، امام علیہ السلام، اصغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضا سے ہر قدم پر ٹھہر جاتے ہین کہ سوال کیونکر کرون، اور کرون بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھ کر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا کسقدر قیامت انگیز سمان ہے، پھر سوال بھی کرتے ہین تو علی اصغر پر کہکر کہ اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہین، واجب الرحم ہونے کی وجہین کسقدر لاجواب ہین، اور سب ایک ہی مصرع مین ادا ہوگئی ہین یعنی ششماہہ ہے، بے زبان ہے، نبی زادہ ہے، شیر خوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا، کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے لبون پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا۔

متحد المضمون اشعار

اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہین، بعض اس قسم کے ہین کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا۔ بعض ایسے ہین کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی مین ہر حباب		ہوتی تھین سیخ موج پہ مرغابیان کباب	
انیس	پانی تھا آگ گرمی، روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی	

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جلکر کباب ہوجاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہے وہ خود ظاہر ہے لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہوجاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہین پائی جاتی وہ کہتے ہین

کہ موج کی سیخ پر مرغابیون کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہو جانے کا خیال نہین پیدا ہوتا ؁

دبیر چاہون تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے زین پر — گردون کی ڈھال چیر کے رکھدون زمین پر

انیس طاقت اگر دکھاون رسالتمآب کی — رکھدون زمین پہ چیر کے ڈہال آفتاب کی

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بدترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہین ہوتا بلکہ کھوبجا دینا ہوتا ہے - ڈہال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزون ہے ؁

دبیر دہشت سے جوان بہاگتے تھے تیر کی مانند — تہا نیزون کو رعشہ قدم پیر کی مانند

انیس چلنے مین نیزے کانپتے تھے شل تھا پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر خیال مین کھچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے کی قید نہ مذکور ہو پوری تشبیہ نہین ہوتی - کیونکہ بوڑھے آدمی کے پانون چلنے ہی کی حالت مین کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پانون اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ اس موقع پر نہایت موزون ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لئے اسکو کانپنے سے تعبیر کر سکتے ہین، اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا اس لیے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا -

دبیر چلاّ سے ہات مل کے چلاچل کہ الامان -

انیس ہو گیا چھوڑ کے ہاتون کو چلاچل خاموش -

چلاچل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین، اسکی تعبیر دونون بزرگون نے دو طرح پر کی ہے مرزا صاحب کہتے ہین کہ چلاچل چلاّ کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے کو ہات ملنے

سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی میر صاحب
کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ ہوگیا، رعب اور خوف
کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے جب مل جاتے ہین تو پھر جب
تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہوگیا ؏

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان		جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان	
انیس	یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے		جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے	

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بہاگ گئین جسطرح بھونچال مین کوئی گھر چھوڑ کے بہاگ
جاتا ہے لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون کو کہان سے کہان پہونچا دیا
ہے اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے، زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی
کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید
سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے - میر صاحب کا پہلا مصرع
بھی کچھہ اچھا نہین، سر کا لفظ بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے
اسکو کوئی خصوصیت ہے ؏

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر	

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا کبک دری
پر چڑہنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر سوار ہونا متعدد موقعون پہ باندہا ہے
اور کس خوبی سے باندہا ہے -

ع گھوڑے پہ تہا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا -

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل سقر کا	بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیٹ عمر کا
ایضاً	گرد عباسؑ کے کثرت تھی ستمگارونکی	مینہ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ دشمن جو اہل سقر تھے، اُن کے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیٹ کا کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندہا ہے ؎

اک گھٹا چھا گئی ڈہالون سے ستمگارونکی	برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدّا اور بدترکیب ہے، دوسرا اُوراصاف ہے لیکن میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق تھی" سے کہان پیدا ہوسکتی ہے ؎

انیس	عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہین ہے	اس عہد مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہے	انصاف ہو کسطرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو اُلٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بُری طرح سے کہ محض لفظی گورکھ دہندا رہ گیا ہے۔

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین۔

انیس سایل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین۔

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ؎

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی	پانی کا گھونٹ بنکے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا	تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق بہی ظاہر ہے۔

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دل فگار	رشتہ میں جیسے دانۂ تسبیح آبدار	

اہل حرم جو ایک ہی رسّی میں قید کیے گئے انکو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ بجائے خود بُری نہیں، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ؎

	گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہائے چمن	

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے، تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین، بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے ؎

دبیر	بے جرم معرکہ مین وہ خار اشگاف تھی	لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی	

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہے، میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین ؎

انیس ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

ایضاً جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہے ؎

؍	دم مین نہ وہ غرور، نہ وہ خود سری رہی	مجرم وہی رہا، یہ خطا سے بری رہی،
مرزا دبیر	روکش، خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوئے	سجادہ سے امام زمن اُٹھ کھڑے ہوئے
میر انیس	طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوئے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر	ششدر رہے، جبرئیل، کٹے جبکہ تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر،	کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر	بند ھتی تھی، اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی،	انیس کُھلتی تھین اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی،

تمت

تصانیف [illegible]انی

نام کتاب	مضمون		کہاں سے مل سکتی ہے
موازنہ انیس و دبیر	میر انیس کی شاعری پر ریویو اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ " " "		
سوانح مولانا روم	مولانا روم کی سوانح عمری اور مثنوی شریف پر مفصل تقریظ " " "	۱۲ر و ۱۰ر بہ اختلاف [illegible]	دفتر ندوۃ العلما لکھنؤ
الکلام	عقاید اسلام کا ثبوت " " "	[illegible]	"
سفرنامہ روم	ترکی و مصر و شام کا سفرنامہ " "		"
رسایل شبلی	۱۲ تاریخی مضامین کا مجموعہ " " "	[illegible]	"
سیرۃ النعمان	امام ابوحنیفہؒ کی سوانح عمری اور فقہ حنفی پر ریویو " " "	[illegible]	"
المامون	مامون الرشید کی سوانح عمری "	[illegible]	ڈپوٹی شاپ علی گڈہ کالج
الغزالی	امام غزالی کی سوانح عمری " "		سہ بارہ زیر طبع ہے، دوسرا اڈیشن کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن
علم الکلام	علم کلام کی مفصل تاریخ " "		دوبارہ زیر طبع ہے،
الفاروق	حضرت عمرؓ کی سوانح عمری " "		دوبارہ زیر طبع ہے،

شبلی ندوہ - لکھنؤ